

رافیہ سہولت شدت سے پور ہو رہی تھی۔
 محکمہ خارجہ کا آہستہ فی سہولت صدیقی
 بری طرح جان کو آگیا تھا۔ صبح ہوئی تو موہود شام کو ہوش
 واپس آئی تو دیکھنے لگا میں بیٹے انتظار فرما رہے ہیں۔ ادھر
 پروفیسر تھا کہ اسے وقت دینے کے سلسلے میں کوئی واضح جواب
 نہیں دیتا تھا۔ کبھی کہتا اجماعی ستارے موافق نہیں ہیں، کبھی
 کہتا اس طرح فوری طور پر مل لینے میں بے وقت ہوگی۔ رافیہ
 اسے سمجھانے کی کوشش کرتی کہ وہ اس صورت حال کو زیادہ
 عرصہ تک برداشت نہ کر سکے گی۔ ویلا فی مسکرا کر سر ہلا دیا
 اور اسے دوسری باتوں میں الجھا کر اس موضوع کو سرے سے
 اڑا ہی دیتا۔
 ادھر رافیہ محسوس کرنے لگی تھی کہ اسے سچ صدفی بھی،
 اب پروفیسر سے ملنے کے لیے اتنا بے تاب نہیں جتنا کہ خود
 اس کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے رہتا ہے۔
 وہ ایک دراز قد اور صحت مند آدمی تھا۔ بھرچالیس اور
 پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ ویلے تو صاف ستھری عادات
 والا معلوم ہوتا تھا لیکن عورتوں کے معاملے میں ان لوگوں
 سے مختلف نہیں ہو سکتا تھا جو اپنی مصیبت اور بیکانہ
 افتاد و طبع کا مظاہرہ کر کے انھیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی
 کوشش کرتے ہیں اور پھر ان پر اس طرح اپنا حق جیت لیتے ہیں
 جیسے وہ صرف اسٹی کے لیے پیدا کی گئی ہوں۔
 ایک ہفتے سے وہ دن میں دو بار اس سے مل رہا تھا۔
 آج بھی ٹھیک اسی وقت نازل ہوا جب وہ کام پر جانے
 کے لیے تیار تھی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک سن کر اس کا
 مونہ جھکا گیا۔ وہ بے پروائی سے الفاظ مسرتی۔ اسے صدفی
 کے لیے گئے لیکن وہ ابھی طرح جانتی تھی کہ دروازہ کھولتے
 ہی اسے اخلافا مسکرائے گا اور جواب میں مسرت صدفی
 کی ہنسی کا دیدار لازمی ٹھہرا۔
 کج بحث کو پہنے کا بھی سلیقہ نہیں۔ رافیہ کو ایسی ہنسی
 بے حد گراں گزرتی تھی جس میں دانتوں کے ساتھ سسڑے تنک
 دکھائی دیتے لیکن۔
 بہر حال اس نے دروازہ کھولا، مسکرائی اور مسرت صدفی
 کے دانت نکل پڑے۔
 ”کیا بتاؤں، پھر نکلیت کا باعث بنا“
 ”لگ... کوئی بات نہیں!“ رافیہ کو پھر اخلافا مسکرائے

پڑا۔ ویلے وہ سوچ رہی تھی کاش والہی میں وہ کسی حادثے
 کا شکار ہو جائے کہ شام کی گزرت کا باعث نہ بن سکے۔
 ”تشریف لے لائے۔“ وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ویلا فی
 نے پہلے ہی کھبر رکھا تھا کہ اگر وہ صدفی کی دوسرے دیر سے بھی
 کام پر پہنچے گی تو اسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔
 ”سچ میں بے حد شرمندہ ہوں مختصر سموات لیکن کیا
 کروں حالات ایسے ہی ہیں کیا آپ نے صدفی شام پروفیسر سے
 فون پر بات کی تھی؟“
 ”الطاف قائم نہیں ہو سکتا، تشریف رکھتے دراصل ہوش
 کے فون کی لائن میں کوئی خرابی ہے۔ ادھر ٹھہرے اور ادھر کسی
 طرف سے کوئی دوسری لائن آئی۔ اب آپ ہی دو آدمیوں کی
 گفتگو سن رہے ہیں۔“
 ”بہرحال میری سہولت“ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔
 ”پچھلی رات معلوم ہوا ہے کہ مجھے کئی سال جو تیرہ آدمی کی تہی
 ہونے والی ہے اور پوچھ کر پھر اسے لیکن اقربا تو اسی
 کا چکر شاید مجھے اس سے محروم ہی رہے۔ دیکھئے اب اسے
 وقت میں آکر پروفیسر سے ملاقات نہ ہو سکی تو پھر کوئی غلط
 میں کیا کروں مسرت صدفی بے بس ہوں اس معاملے
 پروفیسر مرضی کے مالک ہیں۔ جب خود چاہیں گے تب
 میں گے آپ سے۔“ وہ کہتے ہیں افسر و معاملہ ہے،
 ستارے موافق ہوں گے تب ہی ملوں گا۔“
 ”لیکن اگر تیرہ آدمی دوسرے کو مل گئی؟“
 ”آپ خواہ مخواہ فکرمند نہ رہتے ہیں اگر ایسی کوئی بات
 بھی گئی تو پروفیسر کوئی راہ نکال لیں گے۔ ستارے موافق
 جانے کے بعد انھوں نے لوگوں کے ایسے ایسے کام
 ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔“
 ”ان کے ستارے کیا میرے؟“
 ”دونوں کے مطابقت اور موافقت ہو جانے کے
 ہی کام ہوتے ہیں۔“
 ”خیر!“ وہ ضرور ہی آواز میں بولا۔
 رافیہ سوچنے لگی۔ بات ختم ہو چکی مگر یہ ضرور
 سے چپک کر رہ جائے گا۔
 ”مجھے دیر خاموشی رہی ہو صدفی بولا۔“ میں شام
 آؤں گا کیا آپ میرے ساتھ ایک درستی شوش چلا
 کریں گی؟“

رافیہ سناٹے میں بیٹھی۔ جھلا کیا جنگ تھی۔ وہ اس سے
 پروفیسر کی سکریٹری کی حیثیت سے ملتی تھی اور ان ملاکوں
 کی نوعیت شخص کاروماری تھی ورنہ وہ تو یہاں آنے سے قبل
 بھی الگ تھک زندگی گزارنے کی عادی رہی تھی۔ اس کا کبھی
 کوئی برائے نام فریڈ نہیں رہا تھا۔ لہذا اس قسم کی دعوت اسے
 کچھ اچھی نہ لگی۔ اس نے سوچا اس مسئلے پر پروفیسر سے بات
 کیے بغیر کوئی فیصلہ کن جواب نہ دینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ
 وہ پروفیسر کی مرضی سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔
 ”دیکھئے۔ میں ابھی جواب نہیں دے سکتی۔ پتا نہیں شام
 کو بھی کتنی دیر تک مصروفیت رہے۔“ رافیہ نے کچھ دیر بعد کہا۔
 ”ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے میں شام کو آپ سے
 معلوم کروں گا۔“
 اس جواب پر رافیہ جھپٹا لگی کہ بہت ڈھینچہ معلوم ہوتا
 ہے کوئی اور ہوتا تو غدر لنگ کچھ کر خاموشی ہی اختیار کرتا۔
 بہر حال وہ اس کے اٹھ جانے کی منتظر رہی لیکن
 اودھا کھنکھرت کر جانے پر بھی اس نے رخصت ہو جانے کا
 ارادہ ظاہر نہیں کیا۔
 آخر اسے گھڑی دیکھتے ہوئے کہتا ہی پڑا کہ اسے دس
 منٹ قبل کام پر پہنچ جانا چاہیے تھا۔
 ”ادھر خیال ہی نہ رہا باتوں میں رہے بھی ایک جگہ
 پہنچتا ہے۔“ صدفی نے بھی کھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔
 اور پھر وہ ساتھ ہی کمرے سے باہر نکلے۔ ہوش کی کارٹ
 ان منزل تھی۔ لہذا مسرت نہیں تھا۔ رافیہ تیسری منزل پر تھی۔
 وہ دونوں میز ٹیبلوں کی طرف بڑھے۔ پھر چھوٹے ٹیبل
 پہنچنے کے لیے ایک چھوٹی سی راہ لاری طے کرنی پڑی تھی۔
 جیسے ہی وہ کمرے پر پہنچے انھیں زینوں سے ایک
 آدمی لڑکھاتا نظر آیا۔ اس کے ساتھ ہی تین چار عجلہ کنائیں
 اسے ہلاکتی جا رہی تھیں۔
 دیکھتے ہی دیکھتے وہ دوسری منزل کی راہ لاری میں
 پہنچے۔ یہ دونوں بھی تیسری سے زینے طے کرنے لگے۔ رافیہ
 نے گھوم کر دیکھا کہ وہ گرجانے کے بعد اٹھ بیٹھے ہیں کامیاب
 اس پر اٹھا اور اٹھ بیٹھے کے لیے یہ جدوجہد پھر ایسی ہی
 تھی جیسے کوئی بے ہوش ہوتا ہو آدمی بے بسی
 اٹھ کر مار رہا ہو۔

”ارے مریجھے۔۔۔ اٹھائیے۔“ رافیہ نے بول کھلائے
 ہوئے لہجے میں کہا۔
 ”جی ہاں۔۔۔ جی ہاں“ صدفی بول کر جانے والے پر جھکتا
 ہوا بولا۔
 اس نے اسے اٹھا کر سیدھا کمرے کی کوشش کی لیکن
 اس کے گھٹنے ٹک گئے۔ انھیں کھلی ہوئی تھیں، پکلیں بھی چھپکا
 رہا تھا لیکن ایسا لگتا تھا جیسے کچھ دکھائی نہ دے رہا ہو۔
 ”مسرت۔۔۔ مسرت! ہوش میں آئیے۔“ صدفی نے اس کے
 کان کے قریب منہ لے جا کر کہا اور بدستور اس کی انگلیوں میں
 ہاتھ دے اٹھائے رہا۔
 ”میں ہوش میں ہوں۔“ اس نے عجزی ہوئی آواز میں
 کہا۔ ”میری عینک۔۔۔ مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔“
 عینک سامنے ہی پڑی تھی۔ صدفی نے رافیہ سے
 انگریزی میں کہا۔ ”دراودہ عینک اٹھا کر دکھا دیجئے، یہ دیکھ
 نہیں سکتے۔“
 نوجوان کے سر پر اب پوری طرح خوش پرنگ کے ٹکٹے اور
 وہ اپنی ہی قوت سے کھڑا ہوا تھا۔
 رافیہ نے جھپٹ کر عینک اٹھائی اور اس کے لگادی۔
 یہ ایک نوجوان آدمی تھا، خوش شکل اور خوش لباس بھی
 تھا لیکن رافیہ نے اس میں کوئی ایسی بات محسوس کی جو عام طور
 پر نہیں ہوتی۔
 اس نے تھک کر اس کی کتابیں بھی اٹھائیں۔
 ”براہ کرم مجھے میرے کمرے میں پہنچا دیجئے۔“ نوجوان
 نے نجف کی آواز میں کہا۔ ”میں تھکا ہونے لگے ہوں۔“
 ”ضرور۔۔۔ ضرور۔“ صدفی بولا پھر اس نے رافیہ کو
 انگریزی میں اس نوجوان کی خواہش سے آگاہ کر دیا۔
 نوجوان نے بتایا کہ وہ تیسری منزل پر رہتا ہے کمرے
 کے نمبر سے رافیہ نے اندازہ لگایا کہ وہ اس کے قریب ہی ہوگا۔
 دونوں نے سہارا دے کر اس سے زینے طے کرانے
 اور کمرے تک پہنچایا۔
 ”کیس جوت تو نہیں آئی؟“ رافیہ نے پوچھا۔
 ”جی ہاں، گھٹنوں میں، اکثر میرا سر جھکا جاتا ہے،
 پیر لڑکھاتا ہے میں اور چلتے چلتے گر جاتا ہوں۔“ اس نے
 کچھ ایسی مصیبت سے کہا کہ رافیہ کا دل رحم کے جذبے سے
 سمور ہو گیا۔

”اگر ضرورت ہو تو ڈاکٹر۔۔۔“
 دجی نہیں شکر یہ! یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ ٹھنوں
 میں زیادہ جوش نہیں آتی۔ تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔
 ”آپ کے ساتھ اور کوئی نہیں ہے؟“
 ”جی نہیں۔“
 ”ایسی صورت میں تو آپ کو تنہا رہنا چاہیئے۔“
 رافیہ کی وجہ سے حدیثی شاید طوعاً و کرہاً گفتگو کو
 طول دے رہا تھا۔
 ”میں ایم۔ اے فاضل کلاہ علم ہوں۔“
 ”نوجوان لولا۔“
 ”ہوسل میں جگہ نہیں ملی تھی اس لیے مجبوراً یہاں
 رہائش اختیار کرنا پڑی۔“
 وہ دونوں کچھ دیر اس کے حالات پر افسوس کرتے
 رہے پھر کمرے سے نکل آئے۔ اس کے بعد دونوں کی راہیں
 الگ ہو گئیں۔
 رافیہ ٹیکسی میں بیٹھ کر ماڈل کالونی کی طرف روانہ ہو
 گئی تھی۔ راستہ بھر اسی نوجوان کے بارے میں سوچتی رہی۔
 کتنی بے بسی کی حالت میں تھا۔ خطرناک مرض ہے۔ اکثر
 راہ چلتے ہی گر پڑتا ہو گا۔ صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر
 سوچتے رہنے کا عادی ہے۔ پھر بے علم کا نور تھا۔
 اوٹو ویلاٹی اپنی مین پر آیا۔ اسے دیر ہو جانے کی
 بنا پر شاید خود ہی ڈاک لے کر بیٹھ گیا تھا۔
 ”مجھے افسوس ہے پروفیسر۔“ رافیہ نے اسے اپنا کام
 کرتے دیکھ کر کہا۔ ”وہ آگیا تھا۔ حدیثی باتوں میں اچھلنے پڑنے“
 ”کوئی بات نہیں۔ اس صورت میں بھی تم بزنس ہی
 سے متعلق ایک فرض اور کتنی رہی ہو۔“
 ”لیکن پروفیسر۔۔۔“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔
 ”ہاں۔۔۔ ہاں کہو۔“
 ”مجھے یہ آدمی قطعی پسند نہیں۔“
 ”ممكن ہے مجھے بھی پسند نہ آئے پھر اس سے کیا؟“
 رافیہ نے جھنجھلاہٹ میں کوئی تلخ جواب دینا چاہا لیکن
 پھر خاموش رہی۔ اسے ناگواری کے اثرات اس کے چہرے
 پر موجود تھے۔ ویلاٹی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر
 بعد رافیہ نے غصیلی آواز میں کہا۔
 ”وہ آج شام کو مجھے کسی وراثتی شویں لے جانا چاہیے۔“
 ”جلی جانا۔“ ویلاٹی نے بے پروائی سے کہا۔

”میں اسے پسند نہیں کرتی۔“
 ”تم جانو۔ اس کی عرض و غایت میں تم پہلے ہی وضع
 کر چکا ہوں۔“
 ”ایک بار آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میرے بارے میں
 کافی چھان بین کرنے کے بعد آپ نے مجھے اس ملازمت کا
 آفر دیا تھا۔“
 ”یہ درست بھی ہے۔“
 ”لہذا آپ جانتے ہی ہوں گے کہ میرا کبھی کوئی بوائے
 فرینڈ نہیں رہا اور میں اپنی شاہین تنہا ہی گزارتی ہوں۔“
 ”میں اسے بھی تسلیم کرتا ہوں۔“
 ”تو پھر؟“
 ”میری رائے ہے کہ تم اس کی دعوت قبول کر لو۔ اس
 سے تمہارے کردار پر حیرت نہیں آسکتا کیونکہ تم تجارتی مصلحت
 کی بنا پر ایسا کرو گے۔“
 ”سوال یہ ہے کہ میری تجارت میں ہاتھ کیوں لگائیں
 جس کے لیے اپنی سطح سے گرتا پڑے۔“
 ”اودہ تو کیا تم یہاں کافی عرصہ ہیں پھر وہاں
 گئے۔ میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اس رقم کو ہسٹل
 میں تبدیل کرنا ہے اور یہ سرکاری افسروں سے میل جول
 کیے بغیر ناممکن ہے۔“
 ”تو اس کا یہ مطلب ہو کہ مجھے اس کے لیے وہ سب
 بھی کرنا پڑے گا جس پر تم ملامت کرے۔“
 ”اس حد تک کیوں سوچتی ہو۔ یہ تو تمہارے تدبیر
 ہے کہ خود کو گرائے بغیر کام نکال لو۔“
 ”وہ کچھ نہ بولی۔“
 ”پروفیسر ابھی مزید کچھ کہنے والا تھا کہ فون کی گھنٹی
 اس نے ریسپونڈ کر رکھا۔
 ”ہیلو۔۔۔ او۔۔۔ ہاں۔۔۔ اچھا۔۔۔ تم وہ چہرہ
 ہی پاس رکھو۔ ستاروں کی چال بھی ہوتی ہے۔
 تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں۔ وہ لوگ خائف ہوں گے۔
 میں تم اگر سامنے آجی جاؤ تو تم سے دوری وہاں
 میں ابھی تمہیں منظر عام پر آنے کا مشورہ نہیں دے
 بس اتنا ہی کافی ہے۔“ ویلاٹی نے ریسپونڈ کر رکھا۔
 رافیہ سے بولا۔
 ”عمران تھا۔ کل وہ لوگ کسی طرح جوڑ کر

لگے تھے۔ عمران نے پچھلے رات اسے ڈھونڈ نکالا۔ ان کے بچے
 سے رہائی دلائی لیکن اب وہ خائف ہے۔ انہیں جیہڑا دینا
 کو دینا چاہتا ہے جس کے لیے یہ ہنگامہ ہوا تھا۔“
 ”جو خوف کہاں ہے؟“
 ”عمران کی وی ہوئی اطلاع کے مطابق اس کے فلیٹ
 میں ہے۔“
 ”تو کیا وہ لوگ اسے گھسے پھسے لے گئے تھے؟“
 ”اس کے بارے میں کوئی ابھی خبر نہیں ہے۔ شاید عمران
 ہم پچھلے ہی قسم کا شہید کر دیا ہے اور یہ سب کچھ تمہاری ایک
 غلطی کی بنا پر ہوا۔ تمہیں جو خوف کہ مجھے کے داغ والے دھتے
 سے آگاہ نہ کرنا چاہیئے تھا۔“
 ”میں نہیں سمجھی۔ ویلے میرا خیال ہے کہ میں نے آپ سے
 پوچھ لیا تھا۔“
 ”تم بھول رہی ہو۔ میں نے اس کی اجازت ہرگز نہ دی
 ہوگی۔ وہ ہمارا نجی معاملہ تھا۔ میں نے اس آدمی کو سزا دی تھی
 جس اس لیے کہ وہ ہم لوگوں کو بھی اس معاملے میں گھسنا
 پاتا تھا۔“
 ”لیکن تمہو کیا؟“
 ”عمران نے جو خوف کو ہدایت کی تھی کہ وہ فلیٹ سے
 ہر قسم سے نکلے لیکن وہ کسی پیشانی پر عجب نا داغ دیکھ
 اس کے پیچھے دوڑ پڑا تھا۔ اس طرح وہ لوگ اس پر قابو
 لے گئے۔“
 ”آخر وہ ہم پر کس بات کا شبہ کرے گا؟“
 ”کچھ نہیں ختم ہو۔ ہاں تو وہ اس چیز کو دیکھ کر
 ہستائے لیکن نہیں جانتا کہ ان سے کہاں ملاقات ہو سکے
 ان اس سلسلے میں وہ مجھ سے ملنا کا خواہاں ہے اور میرا
 دل ہے کہ اس نے اس کا سراغ پالو لیا تھا لیکن جو خوف
 حاصل کر لینے کے بعد پھر وہ اس کی نظروں سے اوجھل
 گئے۔ ظاہر ہے جو خوف جہاں سے ملا ہو گا اب وہ لوگ
 ان کو تو نہیں ہوں گے۔“
 ”یقیناً لیکن پھر وہاں معاملے نے مجھے ملجھن میں
 لالچ دیا ہے اور اب یہ بات میری سمجھ میں آئی ہے۔ میں جو خوف
 کہہ رہا ہوں کہ میں کوئی لوگوں سے اسے پھینک رہا تھا۔“
 ”اودہ کچھ بھی ہو کیا ہو گا؟“ پروفیسر نے بے پروائی
 سے کہا۔
 ”ان لوگوں کو جنبش دی۔“

رافیہ کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔
 ”میں تو صرف سوچ رہا ہوں کہ عمران کو اس مصیبت
 سے کس طرح نجات دلائی جائے؟“
 ”کوئی طریقہ نہیں۔“
 ”پروفیسر نے نفی میں سر کو جنبش دی۔
 ”وہ کیسے چلا آیا تھا جس نے میری ٹوئین کی تھی اور
 سزا کے طور پر اپنی پیشانی پر داغ لے گیا تھا۔“
 ”روح کے معاملات تو روح ہی مانتے۔“ پروفیسر کچھ
 سوچتا ہوا لولا۔ ”البتہ ایک بات ہے تم یقیناً طور پر اس
 سلسلے میں کچھ نہ کچھ کر سکو گی۔“
 ”میں۔۔۔“ رافیہ کے لیے میں حیرت تھی وہ کس طرح؟
 ”وہ پھر تمہارا بیچھا کریں گے۔“
 ”کیوں؟“
 ”انہیں یقین ہے کہ ہم لوگ عمران کی کین گاہ سے
 واقف ہیں۔“
 ”تو گویا۔۔۔؟“
 ”ڈر نہیں۔ پروفیسر سہرا لاکر لولا۔ تم زیادہ سے
 زیادہ وقت باہر گزارنے کی کوشش کرو۔“
 ”میں نہیں سمجھی۔“
 ”شہر میں یہ واقعہ کچھ بہت سے مواقع ہیں۔ اتفاق
 ہی کہنا چاہیئے کہ شہر کی ایسی حدیثی کی طرف سے دعوت
 بھی ملی ہے۔ تنہا چلتی پھر دو شاید انہیں شبہ ہو
 جائے لیکن کسی کے ساتھ دیکھ کر وہ مقصد کی تہ تک نہ
 پہنچ سکیں گے۔“
 ”رافیہ سوچ میں پڑ گئی پھر کچھ دیر بعد بولی۔ اس کا
 مقصد کیا تھا؟“
 ”ان لوگوں میں سے کسی ایک کو ڈھونڈ نکالنا تو عمران
 کے معاملات طے کیے جا سکیں۔“
 ”آخر آپ اس میں اتنی دیکھی کیوں لے رہے ہیں؟“
 ”جوڑ کی وجہ سے۔ جس کا موروثی اعلیٰ مقدس
 روح کا خادم تھا۔“
 ”پھر رافیہ نے موضوع کو اپنے بلے پر لے کر خوش نہیں کی تھی۔
 وہ ذہنی حلقہ شریں بتلا ہو گئی تھی۔ جوڑ والے اس معاملہ
 اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوچتی رہی، نہ جانے کیوں
 وہ اسی نتیجے پر پہنچتا جا رہی تھی کہ غیر ارادی طور پر وہ خود

ہی اس واقعہ کا سبب بنی تھی تو کیا پروفیسر عمران کے مخالفین کی اعانت کر رہا تھا۔

اگر ایسا نہیں تھا تو پیشانی پر ایک مخصوص قسم کا داغ لگا جو کہیں رخصت کروایا گیا تھا۔ یہ کیسی سزا تھی؟

سیکریٹ سروس کے تین ممبر اس عمارت کی نگرانی کر رہے تھے، ان میں صدر بھی شامل تھا۔

دن کے گیارہ بجے تھے اور ابھی تک عمارت سے کوئی برآمد نہیں ہوا تھا۔ اس کی نگرانی تو پچھلی رات ہی سے شروع کر دی تھی۔

عمران نے دو آؤمیل کو عمارت میں داخل ہوتے دیکھا تھا لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہاں صرف وہی دونوں ہی تھے یا ان کے علاوہ اور بھی تھے۔

صدر سوچ رہا تھا کیا وہ لوگ خائف ہیں؟

ڈاکٹر واراب کی کوٹھی جس کا کچھ حصہ دھماکے سے منہدم ہو گیا تھا یہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔

غیر ٹیلیفون میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا تھا اور ڈاکٹر واراب کا اسسٹنٹ جو فوری موت کا شکار نہیں ہوا تھا صبح ہوتے ہوتے بے ہوشی ہی کی حالت میں پسل بسا تھا۔ صدر کو بھی رپورٹ ملی تھی کہ پولیس اس کا بیان نہیں لے سکی۔ شہر میں کتنی پھیل گئی تھی۔ واراب کی کوٹھی کے گرد پولیس کا پہرہ تھا اور ماہرین دھماکے کا سبب معلوم کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ حکمران رسانی کے لیے نئی آنکھوں نے جنم لیا تھا۔ صدر بے اختیار مسکرا اٹھا کیونکہ لیڈین فیاض کی بگڑی ہوئی صورت آنکھوں میں پھر گئی تھی۔

صدر کی حالت میں وہ اس عہدے کے لیے موزوں نہیں تھا۔

ٹھیک سو گیارہ بجے اس نے عمارت کے کیاؤنڈ میں ایک چھوٹی سی کاد اعلیٰ ہوئی دیکھی تھی اور فوراً تھوکر مہی تھی اور شاید وہی تنہا تھی بھی گاڑی میں! فاصلہ زیادہ ہونے کی بنا پر خود خال کا اندازہ نہ ہو سکا گاڑی سے اترنے اور صدر دروازے تک پہنچنے میں اس نے بڑی بھرتی دکھائی تھی۔ صدر نے غصے سے جیسے چلنے کا اندازہ کیا جانا پیا پیا ہو۔ دروازے کا ہیڈل تھا کہ وہ اندر چلی گئی۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ یا تو خود ہیں رہتی تھی یا یہاں کے ملکیوں سے اس حد تک بے تکلف تھی کہ گھنٹی بجا کر انھیں

اپنی آمد سے مطلع کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

صدر سوچ رہا تھا کہ آخر شناسائی کا احساس کیوں پیدا ہوا۔ اسے دیکھ کر... یہ چلنے کا انداز کہاں دیکھا تھا؟

کب دیکھا تھا؟

دفعۃً وہ چونک پڑا۔ سر گر روڈ... کیا وہ گر روڈ تھا؟ قد و قامت میں یقیناً اسی سے مماثلت رکھتی تھی۔ چہرہ اچھی طرح دیکھ نہیں سکا تھا۔ دیکھتا بھی تو کیا؟ اتنے فاصلے سے صورت کب پہچانی جاسکتی۔

اس نے اپنا اسکوٹر اسٹارٹ کیا اور عمارت کے پھاٹک سے تھوڑے ہی فاصلے پر دوبارہ رگ کر انجن کی چال کو تھوڑا جھکا تا بڑھاتا رہا پھر سوچ آن کر کے اتر پڑا اور اسکوٹر کی دیکھ بھال ایسے ہی پرکشش انداز میں شروع کر دی جیسے انجن میں کوئی کچھ نہیں نہانے والی ترائی پیدا ہو گئی ہو پھر ٹھیک جھاٹک کے سامنے روکے رہے تو مناسب نہ سمجھ کر اسکوٹر کو تھوڑے کچھ آگے لے گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اس نے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور پھر دیکھا کہ عمارت کے کیاؤنڈ میں اسے والی گاڑی اس کے قریب ہی سے گزر گئی۔ ڈاکٹر واراب کے جرحہ لٹے اور پھر وہ اٹنی چلتی ہوئی آگراؤں کے قریب رگ گئی۔

آنکھوں میں بجلی سی چمک گئی۔ ڈرائیو کرنے والی نے کھڑکی سے سر نکال کر پوچھا تھا۔

”کیوں رو رہے ہو؟“

گر روڈ تھی، سو فیصد گر روڈ۔ وہی زندگی بھر پور آنکھیں، وہی دھمکا ہوا سا چہرہ، شوخی اور شرارت سے ہنسونے کے گوشے تھرک رہے تھے۔

اس اچانک دریافت حال پر صدر گر روڈ آگراؤں نہیں تو، میں تو نہیں رو رہا؟ وہ احمقانہ انداز میں بولا اور پھر ہنس پڑا۔

”نہیں چلتی“

”پتا نہیں کیا ہو گیا ہے؟“ صدر نے اسکوٹر کی طرف دیکھ کر مایوسانہ انداز میں ہاتھوں کو جنبش دی۔

”نہیں ضروری کام سے جا رہے تھے؟“

”بالکل! بہت ضروری کام ہے۔“

”چلو تو سارے چلتی ہوں۔“ شریف آدمی نے

”لیکن یہ میرا اسکوٹر؟“

”اسے یہاں چھوڑ دو۔“

”یہاں اتنے شریف لوگ نہیں جیتے“

”اچھا تو اسے اس کیاؤنڈ میں دھکیل آؤ۔“

صدر نے بحث میں پڑنا نامناسب سمجھ کر بے چوں و چرا رہی کیا جو کہا گیا تھا۔

گر روڈ نے اسے اپنے قریب ہی... نے کا اشارہ کیا۔

صدر نے دروازہ کھول کر بیٹھے تھوڑے اس کا ٹکڑا ادا کیا۔

”میرے ہم وطن تم لوگوں کے لیے بڑی اپنائیت غصوں کرتے ہیں۔ گر روڈ نے غیر متزلزل ہونے کہا۔

گاڑی چل پڑی تھی۔

”کہاں جاؤ گے؟“

”بس ریگسٹی اسٹریٹ کے چوراہے پر ٹانڈ دینا۔“

”اور تمہیں وہیں چھوڑ کر چلی جاؤں گی؟“ سوال کیا گیا۔

”بب... بالکل۔“

”کیا میں احمق ہوں؟“

”پتا نہیں“ صدر نے سادگی سے جواب دیا۔

”اسے اس کے عوض تمہیں بھی میرا کام کرنا پڑے گا!“

”میرا کام ایسے اسکوٹر کو وہیں پڑا رہنے دو گے۔“

”خدا کی پناہ!“ صدر اپنی پیشانی سہلاتا ہوا بڑبڑایا۔

”کتنے بے وقوف ہوں۔“

”کیوں؟ کیا ہوا؟“

”کیا آپ وہیں رہتی ہیں؟“

”نہیں! میرے ایک دوست کا مکان ہے۔“

”تب تو پھر عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں، ورنہ سچ اپنا اسکوٹر وہاں سے نہ لے سکتا ہوں گا کیونکہ وہاں اسے رکھنے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔“

”بہر حال عقل آگئی۔“ وہ ہنس پڑی۔

صدر کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد گر روڈ نے کہا: مجھے اپنے کام میں لے لیں۔ اس لیے دوسروں کو بھی خاموش کر دیکھ سکتی۔

”اور میں زیادہ تر خاموش رہتا ہوں۔ اس خوف سے کہ کوئی احمقانہ بات زبان سے نہ نکل جائے۔“

”پتا نہیں تم لوگ اتنا سوچتے کیوں ہو۔ یہاں کے لوگ کچھ بھی مجھے دانش ور معلوم ہونے لگے ہیں۔“

”نہیں! کہتے تو چھوٹے ہی رہتے ہیں۔“

”کیا اس جگہ میں بھی کسی قسم کی ممنونیت پوشیدہ ہے؟“

”تم لوگوں کی باتوں پر بہت غور کرنا پڑتا ہے۔“

”یعنی ہماری وجہ سے تم بھی دانش ور ہو رہے ہو؟“

”وہ ہنس پڑی پھر بولی: ریگسٹی اسٹریٹ کے چوراہے پر تمہیں کتنی دیر لگے گی؟“

”صرف دس منٹ۔“ ایک ڈکاندار سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ اس کے یہاں فون نہیں ہے ورنہ خود دروازے آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن براہ کرم تم نہ چلنا میرے ساتھ کیونکہ وہ ڈکاندار میرے باپ کے گھر سے دوستوں میں سے ہے۔“

”میں سمجھ گئی۔“ گر روڈ نے اسٹارٹ بنا کر بولی: تمہارے یہاں عورتوں اور مردوں کے مابین دوستی کو ابھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔“

”بالکل بالکل! یہی بات ہے۔ ایسے نوجوانوں کی شادیاں بڑی مشکل سے ہوتی ہیں جن کی شناسائی غیر عورتوں سے ہوتی۔“

”اس کا تصور ہی مشکل محض ہے۔“ وہ پھر ہنس پڑی۔

”ہم تو ایسے حالات میں ایک منٹ بھی زندہ نہ رہ سکتے۔“

”مجبوری ہے۔“ صدر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”تو تمہاری بھی کوئی فریڈ نہیں؟“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“ صدر کے لیے یہ مایوسی تھی

”مجھ سے دوستی کرو گے؟“

”لیکن میں نہیں اپنے گھر نہ لے جاسکوں گا! صدر کی آواز میں ہلا کا درو پیدا ہو گیا تھا۔

”خیر... ریگسٹی کا چوراہا قریب ہے، جہاں کہو ٹھہر جائیں۔“

”بب بس... یہیں اس طرف پارک کر دو میں دس منٹ سے بھی کم وقت لوں گا۔“

صدر گاڑی سے اتر کر گئے بڑھا اور چورسے پر بائیں جانب مڑ گیا۔ اسے گر روڈ کی اس حرکت پر حیرت تھی۔ کیا وہ لوگ باخبر ہو گئے تھے کہ ان کی نگرانی کی جا رہی ہے؟

وہ کچھ دیر کے لیے ایک جنرل اسٹوریٹ گھسا۔ بلیدل کا ایک پکیٹ خرید اور پھر دیر سیڑیوں سے ویسی اور بدلیسی بلیدلوں کے بارے میں گفتگو کرتا رہا پھر اسٹوریٹ سے باہر

بڑا گڑوڑ کی گاڑی کی طرف چل پڑا۔
 وہ انکھیں بند کیے سیٹ کی پشت گاہ سے جھکی ہوئی تھی۔
 ”میرا کام ہو گیا“ صفدر نے قریب پہنچ کر کہا۔
 وہ چونک کر مسکرائی اور بھڑائی ہوئی آواز میں بولی۔
 ”بیٹھ جاؤ۔“
 صفدر نے دروازہ کھول کر بیٹھے ہوئے دیکھا کہ وہ
 پھر اونگھنے لگی ہے۔
 ”اب تم بتاؤ مجھے کہاں چلنا ہے؟ صفدر نے اونچی
 آواز میں پوچھا۔
 وہ پھر چونکی اور حجابی کے کمرے کوئی سب سے پہلے ایک
 کپ کافی پیٹا پانچ گروں کی بستہ سی مسوس کر رہی ہوں۔“
 ”تو آؤ، وہ رہا کافی ہاؤس سامنے۔“
 ”یہاں نہیں، رہا تو چلو اور باں... اور تم درانیو کرو۔“
 کہیں میں اونگھ نہ جاؤں۔“
 ”اور اگر مجھے ڈرائیونگ نہ آتی ہو تو؟“
 ”چلو جو کس نہ کرو۔“ وہ اسے دوسری طرف دھکیلتی
 ہوئی بولی۔
 صفدر گاڑی سے اتر کر اسٹیڈنگ والے دروازے کی
 طرف آیا۔ گڑوڑ اس کی جگہ کھسک آئی تھی۔
 صفدر نے پوٹرن کے گڑوڑ کو پھر اسی راستے پر لگایا
 جدھر سے کچھ دیر پہلے آئے تھے۔
 ”کہاں چل رہے ہیں؟“ گڑوڑ نے خوابناک سی آواز
 میں پوچھا۔
 ”خیرین اسکوڑ جہاں میں نے اپنا اسکوڑ پھینکا ہے۔“
 ”تم عجیب آدمی ہو۔ میں کہہ رہی ہوں کہ کافی کے لیے
 ہم ریلوے چلیں گے۔“
 ”اور اگر وہاں میرے باپ کا کوئی دوست مل گیا تو؟“
 ”کیا تمہارا باپ کوئی بیکار آدمی ہے؟“
 ”کیا مطلب؟“
 ”قدم قدم پر دوست کوئی یا کار آدمی اتنے دوست
 نہیں بنا سکتا۔“
 صفدر نے بولا۔ وہ سوچ رہا تھا، آخر وہ چاہتی کیا ہے؟
 وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا اور کچھ دیر بعد وہ
 بالآخر ریلوے اسٹیشن پر گڑوڑ آ نکھیں بند کیے سیٹ کی
 پشت گاہ سے ٹکی ہوئی تھی۔ صفدر نے بلند آواز میں ریلوے

ٹکی پہنچنے کا اعلان کیا۔
 ”کیا کوئی مل گیا؟“ وہ چونک کر بولی۔
 ”کون؟“
 ”تمہارے باپ کا کوئی دوست۔“
 ”تم میرا ہتھکڑیوں اٹا رہی ہو۔“ صفدر نے چڑچڑے
 پن کا مظاہرہ کیا۔
 ”صبر... صبر... وہ اس کا شمار چھپکتی ہوئی بولی۔ چلو اترو۔
 یہاں نہیں شراب بھی مل سکے گی اور تمہارا بیڑا چارن دور ہو
 جائے گا۔“
 ”میں شراب نہیں پیتا۔“
 ”اب بیٹے کو گئے، چلو اترو۔“
 صفدر گاڑی سے اتر گیا۔ گڑوڑ بھی اتری۔ دونوں
 ڈرائیونگ ہال میں آئے۔ کئی میزیں خالی تھیں۔ گڑوڑ نے
 ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا۔ صفدر اسی جانب بڑھتا چلا گیا
 یہ میز دوسری آبادیوں سے دور تھی۔
 ”اب بتاؤ، کون سی بیٹے ہو؟“ گڑوڑ نے پوچھتی ہوئی بولی۔
 ”یہ حقیقت ہے کہ میں نہیں پیتا۔“
 ”کبھی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے؟“
 ”نہیں۔ جب مجھے ایک چیز کا تجربہ ہی نہیں ہے تو اس کی
 ضرورت کیوں محسوس ہونے لگی۔“
 ”بڑی عجیب بات ہے۔ میرے بھی نہیں چلے گی؟“
 ”اتفاق سے ہو لوگ اس کا شمار بھی منشیات میں کیا جاتا ہے۔“
 ”فرشتے بہت لگن تو؟“ وہ چل کر بولی۔
 ”ہاں تو تم کافی پیو گے۔“
 ”ایسی باتوں پر تمہارا غور نہیں پوچھنا چاہتا ہے۔“
 ”میں اس دور سے بے تکلفی ہے۔“
 ”نہیں۔“ صفدر نے شک بیجے۔
 ”ہاں... ہاں تو شہنشاہ ہیل سلاسی کے بیٹے ہیں۔“
 ”میں اٹھ جاؤں گا۔“
 ”اس طرح اپنے اسکوڑ سے بھی باتو دو۔“
 ”آخر تم چاہتی کیا ہو؟“
 ”بے تکلفی۔“
 ”نہت ہے مجھ پر اگر اب کسی لڑکی کو منہ لگاؤں۔“
 ”مجھے حیرت ہے کہ تمہارے گھر والوں نے تمہیں لگا
 کے بغیر گھر سے باہر کیسے نکلنے دیا؟“

عدا ہوتی ہے تو میں کی۔“ صفدر پیر شیخ کو بولا۔
 ”نہت ہے وہ لے اندر ایش ہنس پڑی۔“
 ”سچ سچ بڑے عرصہ درمجم ہوتے ہوئے اس بار اس
 نے لگاؤ کے انداز میں کہا۔
 ”بس تم مجھے اپنا کام بتاؤ۔ میں نے وعدہ کیا تھا۔“
 ”بتا دوں گی، پہلے کافی تو پیو۔“
 صفدر غصیلہ انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔
 گڑوڑ نے ڈیڑھ گھنٹہ سے بلا کافی کے لیے کہا
 اور پھر صفدر کی طرف متوجہ ہو گئی جو اس کی طرف نہیں دیکھ
 رہا تھا۔
 ”تم کو کتنے کیا ہو؟“ اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔
 ”سب کچھ ایک ہی بار پوچھ لو۔ میرا نام صفدر سعید
 ہے۔ تیسرے مکمل کر چکا ہوں۔ فی الحال بیکار ہوں۔ شادی
 بھی ابھی نہیں ہوئی۔“
 ”کھانسی تو نہیں آتی؟“ گڑوڑ نے تشویش آمیز لہجے
 میں پوچھا۔
 ”کیا مطلب؟“
 گڑوڑ نے زور سے ہنس پڑی اور صفدر پھر پوچھنے لگا۔
 ”اتنے میں ویٹرنے کافی میز پر لگا دی۔“
 صفدر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس پتھر میں بھٹس
 گیا ہے۔ کیا وہ اس کی ذات سے واقف ہے۔ کیا اب
 ہون کے بعد خود اس کی باری ہے۔ ہو سکتا ہے ان
 لوگوں نے بھی اسے عمر ان کے فلیٹ میں داخل ہوتے
 دیکھا ہو۔ ان دنوں جب عمران پر پہلا حملہ ہوا تھا وہ اس
 آبادی کے لیے جاتا رہا تھا۔
 ”کتنی شکر پیتے ہو؟“ دفعہ گڑوڑ نے پوچھا۔
 ”پورا شوگر باٹ الٹ دو۔“ صفدر بڑبڑایا۔ اتنی گلیوں
 دوچار ہونے کے بعد ایک آدھ چمچے سے کام نہیں
 لے سکتا۔
 ”اسے تم آدمی ہو یا زمر کی بوتل، موڈ ٹھیک ہی نہیں
 لگتا۔“ اس طرح... کیا مجھ سے زیادہ خوبصورت لڑکی کی امید
 ہے؟“
 ”میں کہتا ہوں مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔ یہ امریکہ
 کے لیے کافی پیو۔“ گڑوڑ نے غصیلہ آواز میں کہا،

اور کافی کا پیالہ اس کی طرف کھسکا دیا۔
 ”آج بتانا نہیں کس گاہ کی سڑاں ل رہی ہے۔“ صفدر
 کافی کے کپ کو گھومتا ہوا بڑبڑایا۔
 ”اب خاموش رہو۔ ورنہ مجھے غصہ آگیا تو...“
 صفدر نے اسے گھور کر دیکھا اور زیر لب کچھ بڑبڑا
 کر کافی پینے لگا۔ اب وہ گڑوڑ کی طرف نہیں دیکھ رہا
 تھا لیکن گڑوڑ اسے متحیرانہ نظروں سے گھورے جا رہی
 تھی۔ کافی ختم کر کے صفدر نے سگریٹ سلگائی۔
 ”ایک گلی بھی دے دو۔ گڑوڑ نے کہا۔“
 صفدر نے سگریٹ اور لائٹر اس کی طرف کھسکا دیے۔
 ”تم کیسے دیتی ہو۔“ سگریٹ مجھے دو لائٹر اپنے پاس
 رکھو اور منتظر رہو کہ میں سگریٹ اپنے ہونٹوں میں دبلاؤں
 اور پھر تم اسے لائٹر دکھاؤ۔“
 ”تمہارے یہاں خواتین سگریٹ نہیں پیتیں اس لیے
 ان سے متعلق کشیدگی اخلاقیات کا مجھے علم نہیں۔“
 ”تمہارے یہاں تو سب گھاس کھاتے ہیں۔“
 ”بدتمیزی نہیں۔“ صفدر نے ہنسنے پھلنے لگے۔
 ”بد مزاج مرغیوں کی طرح پھول کیوں رہے ہو؟“
 ”جہنم میں گیا اسکوڑ بھی۔“ صفدر نے اکراٹھا لیکسن
 گڑوڑ نے غصیت کو اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
 ”ارے... ارے...“ صفدر نے نروس ہو جانے
 کی ادکاری شروع کر دی۔
 ”بیٹھو، ورنہ یہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کو ہماری طرف
 متوجہ ہونا پڑے گا۔“ گڑوڑ نے دھمکی دی اور صفدر بیٹھ کر
 اپنی پیشانی کو دیوار سے تھکیا دینے لگا۔
 گڑوڑ اسی طرح ہنس رہی تھی جیسے اس کی بے بسی
 سے لطف اندوز ہو رہی ہو۔ پھر ایک بیک وہ سنبھل کر ہو گئی
 اور بولی۔ ”میں اب تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ تم بہت
 بھولے آدمی ہو۔“
 اب صفدر نے غصے میں بھولاپن بھی شامل کر لیا۔
 ”مجھے تم سب بہت اچھے لگتے ہو۔ گڑوڑ کو جتنی دہی۔
 ”مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ بہت سے مقامی لوگ میرے
 دوست ہیں۔ ان میں زیادہ تر لوگ غریب آدمی ہیں۔ اس
 وقت میں دراصل ایسے ہی ایک غریب دوست کے سلسلے
 میں تم سے مدد لینا چاہتی ہوں۔ کریم پورہ کے اختتام پر

صبر پڑا ہاں وہ انہی میں سے ایک میں رہتا ہے۔ میں بذات خود وہاں اس سے نہیں ملنا چاہتی۔ خواہ وہ اس کی سبیل بنے گا۔ تم میرا ایک خط اس تک پہنچا دو۔

”کیا تم اس سے وہاں ملنے میں اپنی توہین محسوس کرتی ہو؟“

”ہرگز نہیں! میں نہیں چاہتی کہ اس کے بڑے بڑے میرے بارے میں پوچھ گچھ کرے اسے پریشان کریں۔“

صفر نے کچھ نہ بولا۔

”کیا تم میرا یہ کام نہیں کر سکو گے؟“

”ضرور کروں گا! تم تو بہت اچھی اور خدا ترس معلوم ہوتی ہو۔“

گر وہ نہ اپنے وہی بیگ سے ایک لٹاؤ نکال کر صفر کے سامنے رکھ دیا۔

”اب مجھے پورا پورا بتاؤ۔“ صفر نے کہا۔

وہ اسے سمجھاتی رہی کہ وہ کس طرح اس کے غریب دوست نریش کی جھوٹی بیگ پیسے کے گا۔

”تو کیا تم مجھے نہیں چھوڑ دو گئی؟“

”میں نہیں کریم پورہ کے نریش اس پتیل کے قریب چھوڑ دوں گی۔ میں وہاں نرس کے فرائض انجام دیتی ہوں۔ گر وہ ولیمز نام ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ ہاں خط دے کر پھر تمہارے پاس واپس آنا ہو گا۔“

”ضروری نہیں۔“

”اوہو، تو پھر میرا اسکوٹر...؟“

”کہیں بھاگ نہیں جاتا۔ کل گیارہ بجے میرے پاس آجانا اسپتال میں۔ میں تمہیں ساتھ لے چلوں گی۔“

”میں اسکوٹر تو اس آج ہی وہاں سے لے جاؤں گا۔“

”تمہاری کوئی کل سیدھی بھی ہے؟“ گر وہ نے جھجکا کر بولی۔

”میں آج کے بعد پھر کسی تم سے ملنا نہیں چاہتا۔“

”اوہو! اب میں ایسی بڑی ہوں؟“

”یہ بات نہیں ہے۔ اگر میرے کسی عزیز نے مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا تو؟“

”ہاں پھر تمہاری شادی نہ ہو سکے گی۔“

صفر نے اشیات میں سر ہلا دیا۔

”میں دیکھتی ہوں کیسے ہو جاتی ہے تمہاری شادی۔“

”کیا مطلب؟“

”میں زندگی بھر باکرہ دوں گی تمہاری۔“

”چلو آؤ، میرا دم گھٹ رہا ہے۔ اگر اس کام کا وعدہ نہ کر لیا ہوتا تو مجھے...“

گر وہ نے ویٹر سے مل لائے کو کہا۔ صفر اپنا پرس نکالنے لگا۔

”نہیں بل کی قیمت میں ادا کروں گی۔ گر وہ نے بولی۔“

”یہ بھی میرے لیے تو بہت آئینہ ہے۔“

”اوہو۔“

”قطعی! میں اسے برواشت نہیں کر سکتا کوئی عورت مجھ پر اپنے پیسے خرچ کرے۔“

”سچ؟ اس قابل ہو کر کسی بیڑیا گھر کے کتھرے میں بند کر دیے جاؤ۔“

”خیر... خیر۔“ صفر اطمینان انداز میں سر ہلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ گر وہ نے بل کی قیمت ادا کی اور دونوں باہر نکلے۔

کچھ دیر بعد گاڑی کریم پورہ کی طرف جا رہی تھی۔

”وہ تم اب مجھ سے نہیں ملو گے؟“ گر وہ نے پوچھا۔ اس بار وہی کارڈ رانیو کر رہی تھی۔

”اسے کھول ملوں؟ کیا ضرورت ہے؟“

”میرا دعویٰ ہے کہ تم اپنی بیوی کو خوش نہیں کر سکو گے؟“

”اب خاموش بھی رہو ورنہ میں چلتی گاڑی سے چلاؤں گا۔“

”لگا دوں گا۔“

”تم شاید اپنے اسکوٹر سے بھی ہاتھ دھونا چاہتے ہو؟“

”میں بے کار ضرور ہوں لیکن کنگال نہیں۔ کل ہی اسے خرید لوں گا۔“

”لیکن مجھ سے نہیں ملو گے؟“

”ہرگز نہیں۔“

”اچھی بات ہے۔ گر وہ نے طویل سانس لے کر کہا۔

”میں اسپتال کے قریب اس سے گاڑی روک دوں گی اور جب صفر نیچے اترے گا، اس سے کہا: ”وہاں کرو کو تم میری عدم موجودگی میں وہ اسکوٹر وہاں سے لے جا سکو گے۔“ صفر نے بے پروائی سے شانوں کو اشارہ کیا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔

”خبر نہ! گر وہ نے اسے آواز دی اور وہ ٹک کر ٹھہرا۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی: ”میں یہ خط خاموشی سے اس کے حوالے کر رہا ہے۔ اسے بتانا چنداں ضروری نہیں کہ تم کون ہو اور نہیں کس نے بھیجا ہے۔“

صفر نے بڑا سائنہ بنا کر سر کو جنبش دی اور پھر اس کے بڑھ گیا۔

منزل مقصود تک پیدل ہی چلنا پڑا تھا۔ بتائے ہوئے پتے پر نریش کی جھوٹی بیگ مل گئی۔ وہ موجود تھا۔ اس کا سامنا ہوتے ہی صفر چونک بڑا۔ تو یہ نریش، لیکن آج کل یہ ایسی گھٹیا زندگی کیوں گزار رہا ہے۔“

صفر کی معلومات کے مطابق وہ ایک ماہر فن نگار تھا۔ اس نے باقاعدہ طور پر تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن دنیا کی کئی بڑی نمائشیں نے نکلان بول سکتا تھا۔ پولیس آج تک اس کے ہاتھ نہیں ڈال سکی تھی۔ اس کے خلاف ایسے واضح ثبوت لازم نہ کر سکی تھی جنہیں عدالت میں پیش کیا جاسکتا۔ اس سے پہلے صفر اسے بڑی اچھی حالت میں دیکھتا رہا تھا۔

بہر حال اس نے وہ لٹاؤ پت پت اس کے حوالے کر دیا اور وہاں سے چلا آیا۔ نریش نے بھی اسے روک کر کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

”جھوٹی بیگ کی بستی سے نکل کر کچھ دیر پیدل چلنے کے لیے مل کی بکن اب کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا کہ وہ اسکوٹر کی اس عمارت کی طرف واپس جاتا۔

اس کی نگرانی تو بہر حال ہوتی ہی رہی تھی۔ صفر کے دو اور غم بھی تھے جو بیک وقت عمارت کی نگرانی کرتے تھے۔

اب وہ جلد از جلد گھر پہنچ کر ان واقعات کی اطلاع لے گا۔

ایک بڑے بڑے صفر سے ملی ہوئی اطلاعات بدلیہ نریش نے کہا۔

”اس سے کہہ دو کہ اسکوٹر حاصل کرنے کے لیے اس سے ہمت اٹھا جا رہا ہے اور اس کوئی کی ہر وقت نگرانی کر رہا ہے۔ اس نے لڑکی کا خط پہنچا دیا تھا اور...“

”اور... اور...“

”ابھی تک اس عمارت سے کوئی باہر نہیں نکلا۔ بس وہ لڑکی آئی تھی۔ صفر کا اسکوٹر اب بھی عمارت کے کیمپاؤنڈ میں موجود ہے۔“

”نگرانی جاری رکھو۔ اور انداز۔“

عمران نے گفتگو ختم کر دی۔

وہ اس وقت مرزا نسیم بیگ کے میک اپ میں اسی ہوٹل میں موجود تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ہوٹل سے نکل کر سڑک پر آیا اور کسی غالی ٹیکسی کا انتظار کرتا رہا۔ کچھ دیر پہلا اونٹو بیانی سے فون پر گفتگو ہوئی تھی اور اس نے عمران کو بتایا تھا کہ وہ اس کے دشمنوں کو روحانی طور پر اس بات پر آمادہ کر چکا ہے کہ وہ اس سے کسی مذہبی طرح رابطہ قائم کریں۔

عمران سوچ رہا تھا کہ خیر آدمی اسے بالکل ہی گدھا کیوں سمجھتا ہے۔ کچھ دیر بعد اسے ایک غالی ٹیکسی مل گئی اور وہ فریڈز اسے بڑا کلب کی طرف روانہ ہو گیا۔

موبلی محمودا پچھلے شام سے پہلے کلب میں نہیں ملتی تھی لیکن کچھ دیر پہلے ہی عمران اسے فون کر کے معلوم کر چکا تھا کہ وہ کلب ہی میں موجود ہے اور اس کی منتظر رہے گی۔

ریکارڈ کیے ہوئے تار کے پتھار کا علم ہو جانے کے بعد سے کھیل آگے بڑھ گیا تھا۔ انداز بھاگ دوڑ سے نجات ملنی مشکل ہی تھی۔ وہ اس پتھار کو لپڑی طرح بھاگتا اور اب اسے دارالحکومت کے اس آدمی کی فکر تھی جس کے لیے وہ بیٹا ریکارڈ کیا گیا تھا۔

کلب کے کیمپاؤنڈ میں ٹیکسی داخل ہوتے ہی کتوں کا شور مچا دیا۔ باروے رجنہ کی اشیائیں دنگ بھی بکھری نظر آئی لیکن اس میں کتے نہیں تھے۔ وہ غالباً انہیں اپنے ساتھ عمارت کے اندر لے گیا تھا۔

عمران نے ٹیکسی کار یاہ اور آہستہ آہستہ چلا ہوا ڈانگ ہال میں داخل ہوا۔ یہاں اس وقت ان گیارہ کتوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ وہ سب قطاریں بیٹھے تھوڑی دیر بعد مرزا اور اٹھا کر ایک ساتھ رونے لگے تھے۔ عمران کی آمد پر بھی ان کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ کلب کا نائب منتظم عمران کو دیکھ کر آگے بڑھا۔

”ادام آپ کی منتظر تھیں جناب کہ وہ منوس آگیا۔ اس نے بڑے ادب سے کہا۔ اس وقت وہ ٹیکس میں بھی ہے۔ دام آفس میں ہیں۔ وہ بھی وہیں ہے۔ اب جیسا آپ کہیں۔“

”کیا تم منس فراہم کو میری آمد کی اطلاع دے سکو گے؟“

”ہاں! کیا اتفاقاً ان کے جناب کا گراماں کے پاس آفس میں کوئی موجود ہو تو کسی کی آمد کی اطلاع بھی دیں نہ پہنچانی جائے۔“

”خیر میں نہیں بیٹھ کر انتظار کروں گا۔ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ اتنے میں کتوں نے پھر وہاں شروع کر دیا۔

”کیا انہیں کوئی گھر اصرار پہنچا ہے؟“ عمران نے بڑی سنجیدگی سے نائب منتظم کو مخاطب کیا۔

نائب منتظم پہلے تو ہنسنا لیا مگر عمران کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار دیکھ کر ایک بیک خود بھی سنجیدہ ہو گیا۔

”پتا نہیں جناب! اس نے ہاں سا انداز میں سر ہلا کر کہا۔

”معلوم کرو۔“

”جناب! جناب! کیا آپ بھی مسٹر بارو سے رجحند کی طرح... اس نے جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا لیکن اس کے لیے میں احتجاج تھا۔

”ہاں ہاں! میں بھی اسی کی طرح بہت بڑا نشوونما ہوں۔“

”معاف فرمائیے گا! میں کتوں کا مزاج دان نہیں ہوں۔“

”آپ کو ہونا چاہیے۔ کچھ دنوں کے بعد آپ کو بھی بال بچے دار ہونا ہے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟“

”میری بات کا مطلب نہیں سمجھے یا میرا۔“

”میں بے حد پریشان ہوں جناب۔ آپ کی خوش مزاجی سے محظوظ نہیں ہو سکتا۔“

”سالانہ یہ حقیقت نہیں ہے۔ آپ کو وہم ہے کہ آپ پریشان ہیں۔“

”کیا آپ مجھے خاموش رہنے کی اجازت دیں گے؟“

”ایسی صورت میں قطعی ناممکن ہے جب کہ قریب ہی نہیں گئے دو سہ ہیں۔“

”دفعہ قدموں کی چاپ سنانی دی اور مورلی کے آفس سے باروے رجحند برآمد ہوا۔ وہ سچ سچ نشے میں ملامت ہوتا تھا۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ مورلی بھی گتے میں بھری ہوئی آفس سے نکلی تھی۔

جیسے ہی رجحند کتوں کے قریب پہنچا انھوں نے پھر رونا شروع کر دیا۔ دفعہ رجحند مورلی کی طرف مڑ کر بولا: میں ناہین پیتا ہوں۔ میرے ساتھ یہی پیتے ہیں۔ میں خود غرض اس ہوں نہیں۔“

”پس خیریت اسی میں ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ میں پولیس کو فون کر دوں گی۔“

”پولیس کیا بگاڑ لے گی میرا؟ اسے بھی بلاؤں گا۔ رجحند تجھوتا ہوا بولا اور ایک لینڈ آئیننگ قہقہہ لگا کر یک دم خاموش ہو گیا۔

اب وہ عمران کو گھور رہا تھا۔ دفعہ اس نے نائب منتظم سے کہا: اس مشرف آدمی کو بھی بلاؤ۔“

”ضرور۔ ضرور۔ عمران سر ہلا کر بولا: ورنہ تمہاری قبر پر کون روئے گا؟ کتے تو زندگی کے ہی ساتھی ہوتے ہیں۔“

”مسٹر بیک پلیز۔“ مورلی نے سخت آمیزش میں کہا۔

”اس کے منہ نہ لگو یہ خوش میں نہیں ہے۔“

”اس پر غور یہ کہ کتوں کو بلاؤ کیسے؟“ عمران سنجیدگی سے بولا: کتنا اچھا ہو اگر تم اس وقت اس پولیس آفیسر کو یہاں بلا لو۔ کیا نام تھا؟ کیپٹن فیاض۔ ہاں... ہاں۔“

”میں میں بات بڑھا ناہین چاہتی۔“

”باروے رجحند اتنی دیر میں خود بھی کتوں کی صف میں اکر رہے بیٹھ چکا تھا۔

”خدا کی پناہ! عمران اپنا سر سہلانا ہوا بولا: کیا اسے یہ بھی روک رکھا ہے گا۔ میں نے کتوں اور آدمیوں کو ایک ساتھ بھونکتے تو دیکھا ہے لیکن روئے نہیں دیکھا۔“

”اسے جہنم میں جھونکو میرے ساتھ آؤ۔ وہ آفس کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔ عمران بھی اس کے پیچھے چلا لیکن طرف مڑ کر رجحند اور اس کے کتوں کو دیکھتا رہا۔

”یک بیک کتوں نے پھر رونا شروع کر دیا اور اس بار سچ سچ اس میں رجحند بھی آواز شامل تھی۔

”خدا کے لیے دروازہ بند کرو مسٹر بیک۔“ مورلی نے دفتر میں داخل ہو کر کہا۔

”کیا میں اسے دھکے دے کر باہر نکال دوں؟“ عمران نے پوچھا۔

”نہیں میں کسی قسم کا بھی سہکار نہیں کر رہی۔“

”تو پھر وہ سب پتا نہیں کب تک روتے رہیں گے؟“

”جہنم میں جائیں تم بیٹھو۔“

”اس کی عمر شپ کیوں نہیں ختم کر دیتیں؟“

”میں نے جانتا تھا کہ ایسا کروں لیکن اس نے مجھے اس سے باز رکھا۔“

”ہوں... تو وہ برابر آ رہا ہے۔“

”ہر شام پانچ بجے کسی گھنٹے یہاں گزرتا ہے۔“

”روپی ہاں ساتوں کی عمر شپ ختم ہو جانے کے بعد سے یہاں آیا تھا یا نہیں؟“

”میرا خیال ہے کہ اس واقعے کے بعد سے ابھی تک نہیں آیا۔ ختم کو ال باتوں کو! میں تنگ آگئی ہوں۔ بیزار ہی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ کچھ دنوں کے لیے شہر ہی سے باہر چلی جانا پڑتی ہوں۔“

”خیال اچھا ہے۔“

”تم چلو گے میرے ساتھ؟“

”ہم... میں...؟“

”ہاں... تم۔ پتا نہیں کیوں میں تمہاری موجودگی میں بڑا سکون محسوس کرتی ہوں۔“

”عمران نے طویل سانس لی اور چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

”باروے اس وقت کیوں آیا تھا؟“ اس نے کچھ دیر پوچھا۔

”اس کا خیال ہے کہ میں اسے پسند کرنے لگی ہوں۔ مورلی نے بڑا سائنہ بنا کر کہا۔

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”وہ کچھ کہتے ہی والی تھی کوئی باہر سے دروازہ پینے لگا۔

”میں جھٹکا کر آئی۔ لوٹ کر دروازہ کھولا اور عمران نے اس کے منتظر کی آواز سنی۔

”دادا!... دادا! وہ اپنے سارے کپڑے اتار کر بے پوش ہو گیا ہے۔“

”اوہ!“

”کیا بالکل شگاہ ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

”جی ہاں جناب بالکل۔“

”اچھا تو س فرامام! اب تم اس حلقے کے پولیس سٹیشن کو بل کرو۔“

”یقیناً کروں گی۔ وہ جھٹکا کر مڑی اور میرے پر لگی ہوئی پٹی فون لڑائی اٹھاتی ہوئی نائب منتظم سے لڑی۔ تم صدر دروازے پر ٹھہرو۔“

”کوئی اندر آئے دو۔ اس گتے کے پچھلے کی دیوے سے کلب کے اندر تباہ ہو رہی ہے۔“

”وہ ٹیلی فون ڈائریکٹری میں حلقے کے تھانے کے فیکس تلاش کر کے پوچھا۔

”لان ڈاننگ ہاں میں چلا آیا۔ باروے رجحند سچ سچ تنگ

دھڑکنگ بڑھا تھا اور کتے اس کے گرد حلقے کیے بیٹھے تھے۔

”اب سے مقام روٹنے کا اندازن نالائقوں نے چپ سا دھلی ہے۔“

”عمران نائب منتظم کو متوجہ کر کے بولا: اس پر کوئی چادر وادر ڈال دو اور صدر دروازے کو کو مغل کی کر دو۔“

نائب منتظم لوکھلے ہوئے انداز میں اس کی ہدایت پر عمل کر رہا تھا۔ کتے اب سچ سچ بالکل خاموش ہو گئے تھے۔

عمران سوچ رہا تھا کہ شاید فیاض نے رجحند کی طرف سے توجہ ہٹا لی ہے۔ ہونا بھی یہی چاہیے۔ ڈاکٹر داراب کی کوٹھی والادھکا کا ٹواں کی بیوی کی جانچی کی طرف سے بھی توجہ ہٹا دیتا۔

اتفاق سے وہاں مرنے والوں کے چہرے قابل شناخت تھے اس لیے محکمہ سرانج رسانی کو جلد ہی ان کی شخصیتوں کا علم ہو جائے گا اور وہ بھی کسی اہم پروجیکٹ ہی سے مشتاق ثابت ہوں گے۔ ان تینوں کی موت اور ٹول ڈیوٹی گشت کی جگہ میں شہرینین افراتفری کا باعث بنے گی۔

توجہ ہے کہ فیاض ابھی تک ان لاشوں کی تصاویر کی شناخت کے لیے نہیں آیا۔ آیا ہونا تو مورلی ضرور تذکرہ کرتی۔

نائب نام دروازہ لوٹ کر کسے پٹا بھی تھا کہ کسی نے گھنٹی بجائی۔ نائب منتظم وانت پدیتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

”ٹھہرو! عمران ہاتھ اٹھا کر ہست سے بولا: وہ رک گیا۔

عمران آگے بڑھ کر قتل کے سوراخ سے باہر نکلتے لگا۔ کوئی قریب ہی کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ نظر آ رہے تھے اور وہ ہاتھ ان مخصوص قسم کی انجینئرین عیت کیپٹن فیاض کے علاوہ اور کسی کے نہیں ہو سکتے تھے۔ خیال آئے ہی ٹپک پٹا۔ عمران نے سوچا اور تیزری سے دفتر کی طرف بڑھتا ہوا بولا: میں مس فرامام سے پوچھا آؤں،

”ہر شام شکر یہ جناب! نائب نام بڑ بڑا رہا۔“

گھنٹی پھر بھی اور اس بار دفعہ پہلے سے طویل تھا۔

مورلی فون کا ریسورسٹنگ کی تھی۔ عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”مٹھرو وہ خود ہی آگیا ہے۔ میں نے دروازے کا لوٹ کر دیا تھا۔“

”کون آگیا ہے؟“

”کیپٹن فیاض۔“

”اوہ! مورلی نے ریسورسٹنگ دیا اور بولی: اب میں کیسا کرنا چاہیے؟“

”ادھر کیسا ہے؟“ عمران نے ایک دروازے کی جانب اشارہ کر کے پوچھا۔

”ریشٹرا ٹنگ روم۔“

”میں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا اگر میں فیاض کی موجودگی میں دلیل پیش کروں؟“

”کے... کیوں؟“

”میں نہیں اپنے بارے میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔“

”ابھی بات ہے جاؤ لیکن میں...“

”تم ہال میں جا سکتی ہو۔ میں نے اس پر چادر ڈالوا دی ہے۔“
موریلی نے آگے بڑھ کر اس کے لیے بیٹا رنگ دم کا دروازہ کھولا اور خود ہال میں جانے کے لیے نکل پڑی۔

عمران نے اندر پہنچ کر دروازہ بند کر دیا اور کرسی کھینچ کر

دروازے کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ فیاض کے سامنے نہیں آنا،

چاہتا تھا کیونکہ وہ موریلی سے اس کے بارے میں ضرور استفسار

کرتا اور اس کے جوابات جو غیر شفیق ہوتے اسے شہادت میں

بتلا کر دیتے۔ کچھ دیر بعد اس نے آفس میں فیاض کی آواز سنی۔

”میں ملنے کے تھکنے کے انچارج کو فون کیے دیتا ہوں۔“

وہ کہہ رہا تھا۔ آخر آپ اتنی سراسیمہ کیوں ہیں۔ اگر اسے سوالات میں

پریشانی آتا تو پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کرے گا۔

”میری تو سمجھ ہی نہیں آ رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟“

”فکر نہ کیجئے، بیٹھ جلیجئے، فیاض نے کہا ساتھ ہی فون

پر غیر ڈال کے کی آواز آئی اور وہ متعلقہ تھکنے کے انچارج کو اس

پر دست شری کے بارے میں احکامات دیتا رہا جو فریڈ زلے براد

کلب میں بے ہوش پڑا تھا۔

میلی فون کا سلسلہ منقطع ہونے پر تھوڑی ہی دیر بعد

فیاض کی آواز پھر سنائی دی۔

”ارے آپ خواہ مخواہ پریشان ہیں۔ یہ ایسی کوئی اہم بات

تو نہیں۔ کچھ دنوں کے لیے آپ کو اس سے اور اس کے کتوں سے

نجات مل جائے گی لیکن اس بنا پر اس کی غیر شہادت ختم نہ ہو جائے گی۔“

”آخر آپ اس کی غیر شہادت برقرار رکھنے پر کیوں مصر ہیں؟“

موریلی کی آواز آئی۔

”یوں ہی بس۔ کسی وجہ سے میرا حکم اس آدمی میں لچرپی

لے رہا ہے۔“

”اوہ۔“

”ہاں دیکھئے میں اس وقت ایک کام سے آیا ہوں۔ ذرا

یہ تصویریں دیکھئے۔ کیا آپ ان میں سے کسی کی شناخت کر سکتی ہیں؟“

عمران طویل سانس کے کرتوت چھلانے لگا۔ دوسرے کمرے

میں مل سکوت تھا۔ تھوڑی دیر بعد موریلی کی کپکپاتی ہوتی آواز

سنائی دی۔

”وہ دونوں! میں انھیں پہچانتی ہوں۔ سوٹ کو کبھی نہیں

دیکھا لیکن یہیلیسی تصویریں ہیں؟ انھیں کیا ہوا؟“

”اگر میرا خیال غلط نہیں ہے تو یہ دونوں انھی آٹھوں میں

سے ہیں۔“

”آپ کا خیال درست ہے۔ یہ دویم رسل ہے۔ ۱۰۰ اور یہ

فن دیک چارلس۔“

”نوٹیل ڈیوڈ کے علاوہ جن سات آدمیوں نے کلب کی

میری ترک کی تھی ان میں ان کی کیا پوزیشن تھی؟“

”میں نے اس پر کبھی غور نہیں کیا۔ یہ آٹھوں عموماً ساتھ ہی

بیٹھا کرتے تھے۔ اسی بنا پر ان کے سامنے میں ایک گروپ کا ہی تصور

قائم ہوتا تھا۔“

”قدرتی بات ہے۔“

”ان تصویروں کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں بتایا۔ دونوں

ہی کی آنکھیں بند ہیں۔“

”یہ دونوں مرچکے ہیں۔“

”خدا کی پناہ۔“

”شہر میں پچھلی رات جو دھماکا ہوا تھا اس سے ان کا بھی تعلق

ہو سکتا ہے۔ یہ اسی گمارت میں تھے۔“

”ہاں... لیکن۔“

”پتا نہیں کیا چکر ہے؟ اوہ! دیکھئے شاید تھکنے کا انہماک

آگیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔“

پھر عمران نے قدموں کی چاب پٹی۔ شاید فیاض دروازہ کھول

کر ہال میں گیا تھا۔ اس نے قفل کے سوراخ سے آفس میں جانکا

موریلی تنہا بیٹھتی تھی اور اس کے پیچھے پر گہری تشویش کے آثار

اور وہ بیٹا رنگ دم کے بند دروازے کی طرف دیکھ جا رہی تھی۔

دفعہ فیاض پھر اندر آیا۔

”لیکن ان گتوں کے لیے کیا کیا جائے؟“ اس نے کہا۔

”بچے ہیں کہا۔“

”یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں؟ موریلی ہنسی لگی۔

”واقعی یہ کیا حواقت ہے؟“ فیاض نے جواب دیا۔

”ساتھ کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔“ انھیں میں

توہل میں دیے دیتا ہوں۔“

”میں نہیں سمجھتی کہ آخر یہ بارے میں پتہ نہ ہو گا۔“

”کیلیفورنیا کا ایک بہت بڑا سرمایہ دار ہے۔“

کے مکانات کا جائزہ لینے آیا ہے۔“

”گتوں کی افواش کا کوئی ادارہ قائم کرنا چاہتا ہے؟ موریلی

نے ہنس کر پوچھا۔

”خدا جانے۔“

”کیا آپ کو اس کی دیکھ بھال کے لیے سرکاری طور پر ذمہ داری

ملی ہے؟“

”نہیں... اچھا ہاں ایک بات تو بھول ہی گیا۔ لو وہ بات

پھر ذہن سے نکل گئی۔ کوئی ضروری بات تھی۔“

”خیر... خیر... میں کوئی ایسی بات نہیں پوچھوں گی جس کا

جواب آپ دینا پسند نہ کریں۔“

”کیا پوچھتا تھا آپ نے؟“

”کچھ نہیں... ختم کیجئے، میں بہت پریشان ہوں۔ آپ کیا

پتہ لگائے؟“

”شکریہ! اس وقت نہیں، پھر ہی، اب میں بھی جاؤں گا۔“

”کیا وہ اسے اٹھائے گئے؟“

”جی ہاں! لیکن گتے۔“ حیرت میں انھیں بھی ہنسنے کا کوئی اشتغال

نہا ہوں۔“

”وہ بے حقیقت ہے۔ فیاض فوری طور پر انھیں ہال سے

دھانسنے کا اشتغال نہ کر سکا۔ وہ دو گیس بیٹھے تھے۔ اس وقت بھی اپنی

سرسبز بے جہان کے یا آگ کو دھانسنے سے اٹھ کر پولیس کی

دھانسنے پر توجہ دیا جا رہا تھا۔ یہ بچے ہاتھ ڈالے جاتے تو وہ اس

کا مزے جیسے بھار کھا دیتے۔“

فیاض تھوڑی دیر تک صبر تو دہاں بھرا تھا پھر دوسروں کو

کے بارے میں ذمہ داری دے کر کھینچا گیا تھا۔

عمران چارٹرنگ روم سے باہر آیا۔

موریلی دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھی تھی۔ عمران کی

دھانسنے کی طرف دیکھنے لگی۔

”اب دیکھو! اس نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔“

”لیکن اس نے ہاتھ نہیں دیے۔“

”لیکن ان گتوں کے لیے کیا کیا جائے؟“ اس نے کہا۔

”بچے ہیں کہا۔“

”یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں؟ موریلی ہنسی لگی۔

”واقعی یہ کیا حواقت ہے؟“ فیاض نے جواب دیا۔

”ساتھ کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔“ انھیں میں

توہل میں دیے دیتا ہوں۔“

”جب تک ان کا نشہ نہ اتر جائے یہ نہیں، بس گے اپنی جگہ

سے! بہترین قسم کے ٹریڈ گتے ہیں۔ مالک سے جو حکم مل چکا ہے

اس پر اترے رہیں گے۔“

”پھر میں کیا کروں؟“

”میرا خیال ہے کہ انھیں اور پلاٹی جلنے۔“

”کیا مطلب؟“

”اتنی زیادہ کردہ مالک کا حکم قطعی فراموش کریں۔“

”اور پھر بھنورنا شروع کریں ہم سب کو۔“ وہ برا سامنے

بنکر بولی۔

”اب یہ ان کی لیاقت کی بات ہے۔“

”نہیں کچھ اور سوچو۔ تھوڑی دیر بعد سے لوگوں کی آمد شروع

ہو جائے گی۔“

”اب مجھے ایک مصنفوں کھانا پڑے گا۔ مثل آرٹ سے گتوں

کی ناز برداری تک۔“

”مشریگ پلیز کچھ سوچو۔“

”اگر مجھے اسپتال تک پہنچانے کا قدرے نوٹ اٹھاؤں۔ ڈنڈا۔“

اس کے علاوہ اور کوئی چاہ نہیں یا پھر کسی کی ٹھیک قوم بلا لاؤں،

جو انھیں یہ سمجھانے کی کوشش کرے کہ اقل تو شراب پینا ہی بہت

بڑا کتبہ ہے۔ اگر جی بھی تو اس کا خیال رکھا ہوتا تو قوت

گتے ہو۔ پی کر آدمیوں کی سی حرکتیں نہ کر دو۔“

”مشریگ!“

”میں کیا کر سکتا ہوں، جب گتے شراب پی کر آدمیت کی حدود

میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں؟“

دفعہ ہال میں گھر اس قسم کا شور سنائی دیا کہ وہ اپنی گھنگو

جاری نہ رکھ سکے اور انھیں ہال سے اٹھ کر ہال میں آنا پڑا۔

پولیس والے کہیں سے ایک بڑا سا بال اٹھالائے تھے اور اسے

گتوں پر پھینکے۔ انھیں ہال سے اٹھا کر پھر جب وہ اس جال کو

کھینچتے ہوئے باہر جانے کی کوشش کر رہے تھے گتوں نے

سیدھا کھانا اور شرابنا شروع کر دیا تھا۔

کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ عمران نے سر ہلکا کر کہا۔

”آدی ہر حال آدمی ہے۔“

کافی دیر بعد وہ لوگ ان گتوں کو باہر نکال سکے۔ وہ سب

آپس میں لکڑہو گئے تھے لہذا جال دروازے میں جکڑ گیا تھا۔

وقت تمام دروازے سے نہیں گزرا جاسکا۔

”خدا یا شک ہے تیرا۔“ موریلی طویل سانس لے کر بولی اور عمران

93

کامیاب ہو کر اسے آفس کی طرف کھینچتے ہوئے کہا: آؤ اس مصیبت سے تو نجات ملی لیکن ایک دوسری بڑی خبر ہے اور وہ بری خبر بھی تھی کہ پچھلے رات کے دھماکے کا شکار ہونے والوں میں دو آدمی فوٹیل ڈیوڈ کے ساتھ تھے۔ عمران پیرت کے اظہار کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا۔

کیپٹن فیاض ان کی انصاف پر شناخت کے لیے لایا تھا انور بی بی نے کہا۔ عمران کچھ نہ بولا۔

موریل نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر کہا: میں کچھ دنوں کے لیے شہر سے باہر جانا چاہتی ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ چل سکتے ہو؟

کیپٹن فیاض نہیں کہیں نہ جانے دے گا؟

کیوں؟

اگر تم یہاں نہ ہوتیں تو وہ ان تصادم کی شناخت کس سے کراتا۔ ابھی مزید بھی آدمیوں کا مسئلہ باقی ہے۔

اُسے تو کیا میں اس کی پابند ہو کر بیٹھوں گی؟

ہو نہ ہو جی پرستے گا۔ ہو سکتا ہے شام تک نہیں سرکاری طور پر نوٹس مل جائے کہ تم پولیس کے علم میں لائے بغیر شہر کو نہیں چھوڑ سکتی۔

پھر میں کیا کروں۔ یہاں تو یا گل ہو جاؤں گی۔

نذا کے لیے مجھے خوف زدہ نہ کرو۔ عمران گھٹکیا۔

کیوں؟ وہ ہنس پڑی۔

عورتیں ویسے ہی کیا کر رہی ہیں۔ پھر اگر گل بھی ہو جائیں۔

نہیں تو آپ عورتوں کے بارے میں ابھی رائے نہیں رکھتے۔

رکھتا ہوں۔۔۔ رکھتا ہوں۔ عمران جذبی سے بولا: صرف ان عورتوں کے بارے میں جو میرے دکھ درد کو سمجھ سکیں۔

کیا ہے تمہارا دکھ درد؟

آج تک کسی عورت نے مجھ سے محبت نہیں کی۔

زبردستی کرتی؟ موریل نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

کیوں نہیں۔ ہر عورت کا فرض ہے کہ مجھ جیسے کبھی لوگوں کی تلاش میں ہے۔

کیوں جو اس کر رہے ہو۔ جیسا کہ کیا پڑی ہے۔

سوئڈن کی عورت بھی ایسی ہی نکلی۔ عمران نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

کیا مطلب؟ تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟

ایک رحم دل خاتون محبت تھا۔

سہو۔۔۔ کتنے تھے۔ لیکن۔۔۔

ابھی تک کوئی تم کی رحم دلی ظاہر نہیں ہوئی۔

تم کیا چاہتے ہو؟

یہی کہ اپنے آپ پر رحم کرو۔

صاف صاف کہو۔ اس وقت میں ذہن پر مزید زور دینے کے لیے تیار نہیں۔

مجھ دنوں کے لیے کلب کو قطعی طور پر بند کر دو۔

کیوں؟

میں نہیں کہہ سکتا کہ یہاں ابھی اور کتنے ہیں جن کی ضرورت پولیس کو ہوگی۔

لیکن میں تو نہیں جانتی کہ پولیس کو ان کی ضرورت کیوں ہو سکتی ہے۔ کلب کے قواعد و ضوابط میں بھی ان کی پابندی کر کے کلب کا ممبر ہو سکتا ہے۔ میں اس کی اہلیت کے بارے میں چھان بین کرنے کی اہلیت تو نہیں رکھتی۔

تم جانو۔ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

نہیں نہیں۔ تم نے بات مٹی ہے۔ کچھ اور کہنا چاہتے تھے۔

نہیں تو۔

پھر دنیا کی ہر عورت پر اپنا حق کیوں جتا رہے تھے۔

اس لیے کہ ایک عورت ہی سے جنایاں ہوں۔

پھر فلسفوں کی سی باتیں کرنے لگے۔

بڑھ چکی ہیں۔ ابھی سے ساتھ لگی ہوئی ہے اور دل میں

ہی سے میرے۔ جنانات کو ٹھیک کرنے پر تیار رہے ہیں۔

میں ابھی تک نہیں سمجھ سکتی۔

حالانکہ کئی فلسفیوں کا قول ہے کہ عورت کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔

سیدھی سادی باتیں کرو۔ ورنہ چلے جاؤ۔

فلسفیوں کا قول درست معلوم ہوتا ہے۔ عمران

مندائے لیجیو بولا۔

مجھے بہت جلد غصہ آجاتا ہے مجھے۔

عمران نے اشیاء میں سر ہلکراس کے جیلان کا نام لیا۔

اور میں قطعی ہموال جاتی ہوں کہ غلطی کون ہے۔

عورت ہی غلط ہے۔

خاموش رہو۔

اب چلتا جا بیٹے ورنہ اگر میرے سامنے

تو میں کیا کروں گا؟

دو دن گزر گئے۔ عمران نے طرف بڑھتا ہوا بولا۔

مظہر۔۔۔ مظہر۔۔۔

تانا۔ عمران ہاتھ دھو کر آفس سے باہر نکل آیا۔

کیپٹن خاور نے نریش کی گرانی شروع کر دی تھی۔ سر شام وہ اپنی جھونپڑی سے نکلا۔ اس کے جسم پر ایک شکستہ قمیض اور بوند بوندی سی پٹولن تھی۔ کریم پورہ کے بس اسٹاپ پر پہنچ کر وہ کسی خاص روت کی بس کا انتظار کرنے لگا۔

کیپٹن خاور اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے اسے ایک بس پر سوار ہوتے دیکھا۔ وہ ہی اس کے لیے ہی اس بس پر پہنچا تھا۔ یہ سفر زیادہ لمبا ثابت نہ ہوا۔ وہ گرین اسکوٹر کے پیچھے بس اسٹاپ پر اتر گیا۔ خاور بھی اتر۔ نریش اب پھر پیدل ہی چل رہا تھا۔ بالآخر وہ اسی عمارت کے چھانچہ تک پہنچا جس کے کپاڑے میں صفدر کا اسکوٹر کھڑا تھا۔

آج صبح ہی کچھ دیر کے لیے صفدر کی ڈیلوٹی میاں بھی رہی تھی۔ اس نے نریش کو کپاڑے میں داخل ہوتے دیکھا۔ ابھی اتنا اچالا تھا کہ وہ اپنے ان دوسرا تھوڑے کو دور سے ہی دیکھ سکتا جو مختلف جگہوں سے عمارت کی گرانی کر رہے تھے۔ اس نے بھی اس کو دیکھ کر مخصوص قسم کے اشارے کیے تھے لیکن وہ سب الگ ہی الگ رہے پھر شاید اچھے گھنٹے بعد خاور نے ایک جگہ پر پہنچ کر تھکی دیکھی تھی۔ اسٹینڈنگ پر نریش ہی تھا۔ سرک پر تھکی رہتی تھی کہ وہ پہلی ہی جھٹک سے نریش کو دھکیل سکتا تھا۔ دین سرک پر نکلی اور بائیں جانب مڑ گئی۔ خاور اسے اپنے اس ساتھی کی طرف چھپتا جس کے پاس اسکوٹر کا سائٹی نے اسکوٹر تھوڑے فاصلے پر کھڑا کیا تھا۔

تم دیکھتے ہنا گاڑی کس طرف مڑتی ہے۔ خاور نے اس کو دھکیل دیا اور اس جگہ پہنچا جہاں اسکوٹر کھڑا کیا گیا تھا۔ وہاں پر ساتھی نے تباہ کار گاڑی اگلے چورسے پر بائیں جانب مڑنے سے خاور جانتا تھا کہ اس طرف سے کئی سرنگیں مختلف سمتوں میں لہذا اس نے بڑی بدحواسی کے ساتھ اگلے موڑ پر تباہ کار گاڑی۔ اب اتنا اندھیرا چھل گیا تھا کہ زیادہ فاصلے سے اس کی شناخت نہیں ہو سکتی تھی۔

خاور نے اسکوٹر دھکیل دیا۔ تباہ کار گاڑی نے نظر ہی نہ کی۔

خاور نے اسکوٹر دھکیل دیا۔ تباہ کار گاڑی نے نظر ہی نہ کی۔

داخل ہوتی نظر آئی۔ خاور نے محسوس کیا کہ گاڑی کی منزل مقصود، بندرگاہ نہیں بلکہ اسے اس راستے سے مایہ گیری کے ساحل کی طرف لے جا رہا ہے۔

کچھ دیر بعد وہ اس ویران سرک پر نکلا جس پر سے صرف مایہ گیری کی کمپنیوں سے تعلق رکھنے والی گاڑیاں گزرتی تھیں۔ دفتر دین کی رفتار کم ہو گئی اور اسے بائیں جانب والی ایک چھوٹی سی عمارت کے سامنے روک دیا گیا۔ خاور اپنا اسکوٹر اگے بڑھانے لگا۔

ٹھیک نو بجے شب کو بلیک زیرو فون پر کیپٹن خاور کی رپورٹ سن رہا تھا۔

وہ پانچ آدمی تھے۔ خاور کہہ رہا تھا: نریش کے علاوہ اندھیرا ہونے کی وجہ سے میں ان کی شکلیں نہیں دیکھ سکا۔ چال مایہ گیری کے گھاٹ ہی پر پہنچ کر مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ دین میں نریش کے علاوہ بھی اور کچھ لوگ تھے پھر میں نے ان پانچوں کو مایہ گیری کی ایک بڑی لاٹچ پر سوار ہوتے دیکھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے لاٹچ نے گھاٹ کو چھوڑ دیا تھا پھر نریش تنہا واپس ہوا تھا اور گاڑی کو گرین اسکوٹر کی اسی عمارت کے سامنے چھوڑ کر خود جس طرح آیا تھا اسی طرح اپنی چھوٹی سی واپس پلایا۔ لاٹچ پر بیٹھے والوں کی تعداد کے بارے میں میں نہیں یقین ہے۔ بلیک زیرو فون پر ایک ٹوٹی سی ہزاری آواز میں پوچھا۔

جی ہاں وہ پانچ تھے لیکن ہے۔

اور وہ دین اب کہاں ہے؟

میں نے تو اسے اسی عمارت کے سامنے دیکھا تھا اور پھر نریش کے پیچھے چل پڑا تھا۔ اس سے پہلے میں نے یقیناً صدیقی کو سمجھا دیا تھا کہ وہ اس دین پر خاص طور سے نظر رکھے۔ اس کی ضرورت یوں پیش آتی تھی کہ وہ عمارت کے باہر سرک پر ہی چھوڑ دی گئی تھی۔

ٹھیک ہے اب اب آؤ ام کرو۔

شکر یہ جناب۔

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

بلیک زیرو فون پر سیکرٹری نے بلیک زیرو فون سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

پندرہ یا بیس منٹ بعد کامیابی ہوئی اور خاور کی رپورٹ کے اختتام پر عمران کی آواز آئی۔ پانچ باقی بچے تھے وہ بھی گئے ہاتھ سے۔

”میں نہیں تھا جناب!“ بلیک زبردلو بلا۔
”کیا کوگے کچھ کہہ کر پتا نہیں وہ لالچ کدھر تھی ہو؟ کس کی ہو؟“

”میرا خیال ہے کہ وہ روپی مل فشر نے ہی کی ہو سکتی ہے۔
کیونکہ گھاٹ پر پہنچنے سے پہلے زیش نے وہ روپی مل فشر کے سر دھانے کے پاس روکی تھی اور خود ان کو عمارت میں گیا تھا۔“
”یہ خبر ابھی ہے؟ دوسری طرف سے آواز آئی۔ اب مجھے اس دین کے متعلق بھی رپورٹ ملنی چاہیئے۔“

”اس کی رپورٹ بھی رپورٹ ملنی چاہیئے۔“
”اس کی طرف خاص طور پر دیکھا تھا۔“
”بہر حال کا۔“ ری پسند کے مطابق نہیں ہو رہا۔
”مجھے افسوس ہے جناب!“

”ان آٹھوں میں سے صرف ایک ہمارے ہاتھ لگے اور وہ بھی اس سٹیج پر ہمارے لیے قلعی بے کار ہے۔ اس عمارت میں اب کوئی بھی نہ ہوگا۔“
”صفر کا اسکوٹر کیا وہاں اب بھی موجود ہے؟“

”صفر سے کہو کہ وہ اپنا اسکوٹر حاصل کرنے کے لیے کل گر روڈ سے ضرور ملے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ اس سے ملنے کی خواہش کرے تو انکار نہ کیا جائے۔ اب صرف وہی رہ گئی ہے۔“
”بہت بہتر جناب۔“

”اور رائیڈ آئی۔“ بلیک زبرد نے سوچ آف کر کے طویل سنس لی۔
گیارہ بجے صدفیق نے پورٹ دی کہ ایک گاڑی اس دین کے قریب آگئی تھی۔ اس پر سے ایک آدمی اتر کر دین کا رخ کیجئے لگا تھا اور گاڑی چلی گئی تھی۔ انجن میں شاید کوئی خرابی واقع ہو جانے کی وجہ سے وہ آدمی آگے کھینچنے تک کام کرتا رہا تھا۔ اس کے بعد وہ اسے اسٹارٹ کر کے دیکورہ لین کی کوٹھی غیر یالیں تک لے گیا تھا اور پھر وہ دین عمارت سے باہر نہیں آئی تھی۔

بلیک زبرد نے اس کی اطلاع عمران کو دی۔
”یہ بھی بڑی ابھی خبر ہے۔ عمران نے دوسری جانب سے کہا۔“ جانتے ہو یا نہیں دیکورہ لین میں کون رہتا ہے؟“
”نہیں جناب۔“

”روپی مل۔“
”اوہ تب تو ہم لقیں کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ روپی مل فشر نے ہی کی لالچ رہی ہوگی۔“

”لیکن ان لوگوں سے کچھ انکو الینا آسان نہ ہوگا۔ خیر تو تم نے صفر تک میری ہدایت پہنچا دی ہے یا نہیں؟“
”ابھی اُسے بھی دیکھنا جناب۔“
”دیکھو کا کیا حال ہے؟“
”نیا دہ تر خاموش رہتا ہے۔“
”اور رائیڈ آئی۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ بلیک زبرد نے سوچ آف کر دیا۔

”رافیہ سمونا فشری طرح خشک تھی۔ شام کو ہٹل میں آنے پر صدفیق کو اپنا غلط پایا تھا۔ سخت کوفت ہوئی تھی لیکن کبھی کیا سکتی تھی۔ وہ مدہ کرنا یا نہ تھا۔ وہ اس کے ساتھ ورنٹی شو دیکھنے جانے لگی۔“

لیکن ورنٹی شو صفر پر لوٹا تھا۔ بوریٹ کی اصل وجہ یہ تھی کہ رافیہ اور فشر نے کبھی بھی لہذا ذہنی خشک کے ساتھ ہی سمونا فشر کا احساس لازمی تھا۔ دس بجے ہٹل واپس آئی تھی۔ صدفیق ساتھ ساتھ آیا تھا اور غلابا متوجہ تھا کہ وہ اس سے اپنے کمرے تک چلنے کے لیے کہے کی لیکن رافیہ زبرد نے اس سے اس لیے اعتراض کیا تھا۔ اس نے کچھ دیر غصہ کر جانے وغیرہ دیکھنے کو نہ کیا۔

”سچ ہے وہ اب بھی خشک محسوس کر رہی تھی تو میری مثال تک پہنچنا دیکھ رہا تھا۔ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ اس کی آواز سنائی دی۔ رگ گئی۔ ایسا لگتا تھا کہ جب سے اس کی پٹوٹ کر دہرا ہو۔ آواز قریب ہی کے ایک کمرے سے آئی تھی۔ یہ وہی تھی۔ کمرے کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ اب اسے یاد آ گیا کہ یہ تو اسی نوجوان کا کمرہ ہے جو آج صبح زینوں سے لڑا تھا اور دوسری منزل پر جا کر لگا تھا۔ وہ غیر ارادی طور پر اس کی طرف بڑھ گئی۔“

”کھٹھ ہوئے دروازے کے سامنے رک کر اس نے دیکھا کہ وہ میرے برسر آمد نہ ہلے گا ورنہ بلند رونے جا رہا تھا۔ اس کی طرف تھی۔“

”رافیہ سوچنے لگی اُسے کیا کرنا چاہیئے؟
”وقت وہ خود ہی خاموش ہو کر کرسی سے اُٹھ کر اس کی طرف مڑا اور رافیہ پر نظر پڑتے ہی جہاں تھا وہیں لگا۔“
”رافیہ نے محسوس کیا کہ وہ کچھ عجیب سا ہو گیا۔“
”تمہاری چوٹ ایک سی ہے؟“ رافیہ نے کہا۔

”نٹ۔۔۔ ٹیک ہے شکریہ؟“ وہ سہلایا۔
”تم روکیوں رہے تھے؟“

”رورہا تھا؟“ اس نے حیرت سے کہا۔ جلدی جلدی پکس جھپکایا پھر جھپکی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”جی نہیں میں تو کار ہاتھ تھا۔“
”اوہ! معاف کرنا۔“

”قدیم یونان کی دلی زہر کا بھین تھا کیا سچ اس کی لے رونے سے مشابہت رکھتی ہے۔“

”بہت زیادہ!“ رافیہ مسکرائی۔
”دراصل میں اپنے کھنڈوں کی تکلیف کا احساس کم کرنے کے لیے گانے لگا تھا۔ آپ ایک بہت ہی رحم دل خاتون ہیں، لیکن مجھے آپ کی صورت صاف دکھائی نہیں دیتی۔“
”کیوں؟“

”میری عینک پھر گڑھ ہو گئی۔ غالباً آپ کو وہ دوسری منزل مل گئی تھی اور آپ نے اسے اٹھا لیا تھا۔“
”جی ہاں۔“

”اوہ! معاف کیجئے گا میں نے آپ سے اندر آنے کو بھی بلایا۔“
”کوئی بات نہیں۔“ رافیہ نے غیر ارادی طور پر کمرے میں آگے بڑھ کر کہا۔

”تشریف رکھئے۔“ تشریف رکھئے نیک دل خاتون میں اس دن یا اس صبح کی آواز نہیں رہ گیا۔ قدیم یونان میں نے کچھ کہیں کا نہ دیکھا۔ اب میں اپنے کمرے میں نہیں آتا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید میں یا کبھی ہو گیا ہوں یا کبھی نہیں آتا۔ اس بار ہو گیا۔ اب بھی دیکھنے کر اس وقت آپ بھی آگے آئیں۔ میں جہن کار ہاتھ تھا۔ آپ بھی کراہتے رہ رہے ہوئے۔“

”آپ کو نامت نہ جونی چاہیئے کیونکہ غلط فہمی ہی کی بنا پر آپ کو نامت نہ جونی چاہیئے۔“ چاند پر جا پہنچا۔ ادیت کی بار بار باہر سے حالانکہ ادیت کی معراج صرف نامت کر کے تھا۔“

”اوہ! تم کیلٹ ہو؟“
”اس میں کیا کیلٹ ہو؟“

”کیا ہے؟“
”ہاں! یہی سکتی ہوئی انسانیت کا واحد علاج ہے۔“

”میں نے اس ازم کا نام پہلے کبھی نہیں سنا۔“
”آدھے تیر اور آدھے تیر کو جھانک کر دیکھتے ہیں۔“
”غالباً اسی بنا پر نہیں اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا ہے؟“
”نہیں وہ دوسرا معاملہ ہے۔ میرے گھر والے اسے پسند نہیں کرتے کہ وہاں راتوں کی فیلار ہو۔“

”میں نہیں سمجھی۔“
”مجھے سے راتوں گفتگو کرتی ہیں۔“
”اوہ یہاں بھی وہی پکڑ۔۔۔ رافیہ ہستہ سے بڑبڑاتی۔
”کیا فرمایا؟“
”کچھ نہیں۔“

”آپ شاید غلط سمجھی ہیں۔“ نوجوان کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔
”میں کیوں غلط سمجھوں گی جب کہ خود مجھے سے قدم میر کی ایک روح گفتگو کرتی ہے۔“

”خوب!“ نوجوان کے لہجے میں بے اعتدالی تھی۔
”وہ روح عالم اجسام میں میری ہم شکل تھی۔“
”بہت خوب۔“

”تم غلط سمجھ رہے ہو۔“ رافیہ جھپکائی۔
”بات نہیں بڑھانا چاہتا کیونکہ آج تم نے میری جان بچائی تھی۔ بے چون و چرا التیہ کے لیتا ہوں۔“

”اوہ! اس بنا پر تسلیم کر رہے ہو۔ اچھا تو میر میں بھی تمہیں جھوٹا سمجھتی ہوں۔ تم مجھے محروم کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔“
”میں ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔ تم کوئی ثبوت پیش نہ کر سکو گی۔“

”کیا ثبوت پیش کرو گے؟“ رافیہ کو تاؤ آ گیا۔
”ابھی کچھ دیر پہلے میں جو جہن کار ہاتھ نہیں زہر کے معطلی پکاروں کی آواز میں سنوا سکتا ہوں۔“

”رافیہ نہیں بڑی اور وہ آگے بڑھ کر دروازہ نہ کرنے لگا۔
”ہگ۔۔۔ کیوں؟“ رافیہ بیک بیک لوکھا لگتی۔

”ڈرو نہیں۔“ وہ نرم لہجے میں بولا۔ تم مجھے کچھ سے کی طرح سے مڑ پادگی۔ میں کمرے میں اندھیرا کرنے جا رہا ہوں۔ ساتھ ہی اندھیرا ہو بھی گیا۔ اس نے روشنی کا سوچ آف کر دیا تھا۔ رافیک کی کھنکی بندھ گئی پھر زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہ ہو سکا۔ نوجوان عجیب سے لہجے میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

”سی ایک لہ۔“ رافیک کی ریز کی ندی میں دوڑ گئی۔
”پھر عجیب قسم کے سادہ تم سر میں گرنے لگے۔ آواز۔“

نقل میں کئی لگائی تھی۔

چاروں طرف سے آتی معلوم ہوتی تھیں جیسے اندھیرا موسیقی کی لہروں میں تبدیل ہو گیا ہو۔

اُس کے بعد لگنے والیوں کی آوازیں اُچھوس۔ نے دہری تھی جسے کچھ دیر قبل وہ رونے سے تعبیر کر چکی تھی لیکن ان آوازوں میں اتنی ہلکا سسکی تھی کہ سستہ سستہ اس کا ذہن موسیقی کے اس اُمدتے ہوئے سمندر میں اس طرح ڈوبتا چلا گیا کہ پھر احساس ہی نہ رہا کہ وہ کچھ دیر پہلے خائف تھی۔ دفعہ آخری آوازوں کے درمیان ایک مردانہ آواز ابھری۔

”تم ایک فریب خوردہ سستی ہو رافہ سمرفان! اولو دلائی فراڈ ہے۔ اگر تم اس کی روحانی قوتوں کی قائل ہو تو اس واقعے کے بارے میں ضرور استفسار کرنا۔ اگر اس کا رابطہ قدیم دھرم سے ہے تو یہ لمحات اس پر ضرور اظہارِ امن اشعش ہوں گے تم دیکھنا کہ وہ اس کے بارے میں تم سے کیا کہتا ہے؟“

پھر چائیک نے صرف ستاٹا داری ہو گیا بلکہ غصے میں روشنی بھی ہو گئی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اچانک کوئی لہران آوازوں کو ساخت کی دسترس سے دور بہا لے گئی ہو۔

نوجوان سامنے کھڑا احمقانہ انداز میں لپکیں جھپکاتا تھا۔ رافہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن نہ تو ہونٹوں نے جنبش کی اور نہ الفاظ ہی مل سکے۔

”کیا خیال ہے؟“ نوجوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”تم نے میرے نئی معاملات کے بارے میں کچھ کہا تھا؟“ ”میں نے؟“ وہ غیرانہ لہجے میں بولا۔ ”نہیں تو۔ میں نے تو اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا تھا اور پھر میرا خیال ہے کہ میں نے بھی اسے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں سنی تھی۔“

”وہ سی مرد کی آواز تھی؟“ ”ہم ہے تمہارا۔ ایسی کوئی آواز میں نے نہیں سنی۔“ رافہ کے چہرے پر ایسے کی تھی تھی لہذا وہ چپ رہا۔

بدقت تمام وہ دینی بیگ سے رومال نکال کر لیا۔ نوجوان پہلی ہی طرح چندھیا نے سوئے نمازیں لپکیں جبکہ تار باہ۔ رافہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیئے۔

دفعہ انتظاری طور پر اس نے جھپٹ کر دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔ مردانہ آواز کا کہا ہوا ایک ایک لفظ اُس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔

”تاہم اس طرح اس نے اپنے کمرے کے دروازے کے

دوسری صبح ٹیلی فون کی گھنٹی ہی نہ سے بیدار کیا تھا، اور اس کا جی جا پا کہ اسٹر ومنت کو فرسٹ پراس وقت تک پہنچتی رہے جب تک کہ وہ محلے محلے نہ ہو جائے۔ انھیں اس طرح جل رہی تھیں جیسے کسی نے ہتھی بھر ننگ ان میں جھونک دیا ہو۔

رہسپور اٹھا کر جھپٹا ہوتی تندہی آواز میں پہلو بھی۔ ”میں صاف لیتی ہوں۔ گدا مار ننگ۔“ گدا مار ننگ۔ ”وہ اہل چڑی۔ مسٹر صدیقی ایک کافن نمبر پر سے باہر محفوظ ہے۔ جب بھی پروفیسر نے آپ کو وقت دیا مطلع کروں گی اس کے لیے ذاتی طور پر مزید ملاقاتیں چھلانگ دے گا۔ پھر اس نے اس کے خواب کا انتظار کیے بغیر کھانک سے رہسپور کمرشل پورے مارا اور چادر تھیک کر دوبارہ لٹ گئی۔

کانوں میں سٹیپیاں سبج رہی تھیں۔ کپٹیاں اس پر کھانک پہنچ رہی تھیں جیسے سر میں مغز کی بجائے سیسے کا ڈال دیا ہو۔

پچھلی رات تین بجے سے پہلے نہیں سوئی تھی۔ اس وقت بھی کانوں پر پروفیسر ویلائی فراڈ ہے۔ یہ نوجوان آخر کون ہے۔ عجیب کیسی ہیں۔ انھیں دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے ذہن اور جسم میں کوئی لگا

ہی نہ ہو۔ کیا یہ محض اتفاق تھا کہ اُس سے اس طرح ملاقات ہو گئی تھی۔ جب بچپن اور جرز و والدہ اقدار سامنے آیا تھا کہ وہ سچ فرادہ ہے؟ اگر ہے تو خود اس کی کیا پوزیشن ہے۔ وہ سے کیا چاہتا ہے اور اس کے ساتھ کس قسم کا فراڈ ہوا ہے۔

رہا لیکن وہ روح جو اس سے سرگوشیاں کرتی تھی جنواں سے اس کی قد آدم تصور جو خود اس سے مشابہت رکھتی تھی۔

تھا۔ اگر یہ سب فراڈ ہی تھا تو اس کا مقصد کیا ہو سکتا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی کپٹیاں تھپکنے لگی۔

پراسرار نوجوان سے پھر ملنا چاہیئے لیکن اس نے تو وہ آواز نہیں سنی۔ اس کے بیان کے مطابق اس نے تو جوں کے تو جوں کچھ بھی نہیں سنا تھا۔

وہ کوشش کرتی رہی کہ وہ دوبارہ نہ آجائے۔

نہ ہو سکا۔ بالآخر اٹھتا ہی پڑا۔

وہ اس نوجوان سے پھر ملنا چاہتی تھی مگر اس کے

پوری نہ ہو سکی۔ اس کا مرام عقلی تھا پھر کچھ دیر بعد ڈیوٹی پر توجہ دینی پڑی۔

اوٹو ویلائی بہت اچھے کوٹ میں نظر آیا۔ ”تم نے تو کمال کر دیا ہے بی۔“ وہ اسے دیکھ کر اس کے ہاتھ ہوا بولا۔ ”میں نہیں سمجھی پروفیسر؟“ رافہ کا لہجہ بے حد خشک تھا۔ ”صدیقی کے ساتھ تمہارا تڑپت بہت مناسب رہا۔“

رات کے بتاؤ کے بارے میں کہہ رہے ہیں آپ یا صبح والے برتاؤ کے بارے میں؟“ ”صبح والا برتاؤ۔ میں نہیں سمجھا۔“

”لوں صبح میں نے فون پر اُسے ڈانٹ دیا تھا۔“ ”بی۔ بی۔ بی۔۔۔ یہ کیا کیا تم نے۔۔۔ لیکن کیوں؟“ ”مجھے تین بجے سے پہلے نیند نہیں آتی تھی۔ صبح ہی فون کی گھنٹی نے جگادیا۔ میں نے اُس سے کہا کہ وہ مجھے خواہ مخواہ لور نہ کرے۔ جب بھی آپ اُس کے لیے وقت نکال سکے فون پر مطلع کر دیا جائے گا۔“

”اوہ۔۔۔ پروفیسر نے ہونٹ جھینچ لیے۔“ ”تھوڑی دیر غاموش رہا پھر بولا۔

”یہ تو اچھی بات نہیں ہوئی۔ پچھلی رات تم نے اُسے بڑی اچھی طرح سنبھال لیا تھا۔“

”لیکن آپ کیا جانتی ہیں؟“ ”اوہ۔۔۔ ہے بی! جان لو پھر کوئی ہو کر کیا تم روحانی قوتوں سے واقف نہیں؟“

رافہ نے طویل سانس لی اور ایک بار پھر اسی پراسرار آواز کے سارے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔

”ہی تو جا پا کہ وہ اس کے لیے پروفیسر کی روحانی قوتوں کا امتحان کر رہا ہے لیکن پھر عاقبت اندیشی اُسے آئی اور اس نے اس میں غاموش رہی۔ یہ نہایت مناسب تھا۔

وہ لباس تبدیل کر کے اس کمرے میں بیٹھی جہاں کام کرتی تھی۔ آج اس نے جنواں سے لاش کی تصویر کو بڑی کینے نو نظر دیا۔

پھر بیٹھ کر ڈاک دیکھنے لگی تھی۔ ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ سخت اذیت اور ویلائی پر کہ وہ اُسے اپنی مقصد ریزی کے لیے مدد لیتی

الہا چاہتا تھا۔ رافہ بھینے سے نفرت کرتی تھی۔ اس کے ذہن سے آواز آ رہی تھی۔ اگر وہ مستقبل کے لیے اسے سو دینا چاہتی تو لبنان

لہا سفر کیا تھا کہ وہ اپنے ذرائع سے روزی کمانا چاہتی تھی۔ دفعہ اس نے جنواں سے لاش کی تصویر کی طرف توجہ دینی شروع کی۔

”دیکھا اور نہ آئی۔“ ”اے روح اگر تم مقدس ہو تو مجھے بتاؤ کیا کل رات میں راستی پر تھی؟“ ”لو لو غاموش کیوں ہو؟“

”ہاں!۔“ ”طویل سرگوشی میں جواب ملا۔ تم راستی پر تھیں۔“ ”لیکن وہ آدمی مجھے کوئی مقدس نہ سمجھتا تھا۔ اس نے مجھے دراصل شو کی دعوت کیوں دی تھی؟“

”ہاں! یہ تو اس کی زندگی ہی تھی لیکن تمہیں ہر اسان نہ ہونا چاہیئے۔ میں تمہاری محافظ ہوں۔ اس کا کوئی بھی غلط قدم اُسے موت ہی کی طرف لے جائے گا۔“

”تم ہر طرح کی قوت رکھتی ہو اے مقدس روح پھر آہ۔ گھماؤ پھراؤ والا راستہ کیوں اختیار کیا۔ تم چاہو تو لوں بھی پروفیسر کی کافی جوتی رقم اسٹرنگ میں تبدیل ہو سکتی ہے۔“

”ہاں! ایسا ممکن ہے لیکن یہ قانون قدرت کے منافی ہوگا اور میں بھی اپنی قوتیں اس کے بعد کھو بیٹھوں گی۔“

”میں نہیں سمجھی اے مقدس روح!“ ”یہ بھی میرے قصہ قدرت میں ہے کہ میں اس ملک میں پائے جانے والے ایک ایک اسٹرنگ کا اپنی تحویل میں لوں گا۔

ایسا کرنا ہی قانون قدرت کے منافی ہوگا اور میری آزادی بھی ختم ہو جائے گی۔ آزاد رہیں اگر قانون قدرت میں خلل انداز ہوئے لیکن تو ان کا یہی ہشر ہوتا ہے۔“

”اچھا اے مقدس روح پچھلی رات میرا کوئی فعل تمہارے لیے ناپسندیدہ تو نہیں تھا؟“ ”ہرگز نہیں۔“

”اور میرا یہ فعل کہ میں نے اُسے فون پر ڈانٹ دیا۔“ ”سب ٹھیک ہے۔ میں اس کے دل میں تمہاری لگن بڑھا دوں گی۔“

رافہ نے سوچا۔ یہ روح بھی فراڈ ہے۔ اُسے اس کا علم نہ ہو سکا کہ وہ کسی دوسری روح کی زباناً اس کے پجاری سے متعلق بڑے الفاظ سن چکی تھی۔

”کچھ اور پوچھتا ہے نہیں؟“ ”سرگوشی پھر ابھری۔“ ”نہیں اے مقدس روح میں مطمئن ہوں۔“

اس کے بعد پھر پہلی ہی کا سا احمقانہ ستاٹا داری ہو گئی۔ ”یہ روح بھی فراڈ ہے۔“ رافہ کے ذہن نے پھر

کیوں؟ اگر ٹوڑنے لوجھا۔
 "فریج میں ایسی بہترین چیزیں نہیں مل جائیں گی؟"
 "نہیں تو پھر ٹھیک ہے۔ انڈول کے سینڈویچ بنائے ہیں۔"
 کافی اور سینڈویچ کیوں؟
 "ہوں... اول۔" وہ بے دلی سے بولا "ایسا لگ رہا تھا جیسے ذہن کیوں اور ہو۔"
 "چلو مجھے کچن دکھاؤ۔"
 "چلو۔" وہ ڈھیلی سی آواز میں بولا۔
 کچن میں اس نے فریج کھولا اور قلعاری مادی جھونپی آواز میں بولی "اے یہاں تو بہت کچھ ہے۔ شاید اپنا کھانا بھی خود ہی پکاتے ہو۔"
 "ایک بڑی ہے اس میں۔" صدر نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔
 "کچھ نہیں... کچھ نہیں... ختم ہو گئی۔ کافی سبزیوں سے معلوم ہوتے ہو۔"
 "اب تم کو یہ اندازہ کتنو درنہ اچھا نہیں ہو گا؟"
 "کیا کرو گے تم؟" وہ مڑی اور تن کو کھڑی ہو گئی۔
 "نہیں اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔"
 "آؤ... اٹھاؤ۔"
 صدر دوسری طرف منہ پھیر کر غصیلے انداز میں مدبرانہ لگا۔
 "نہیں میں شیک کی سے کہہ رہی ہوں۔ تمہاری قوت کا بھی امتحان ہو جائے گا۔"
 "اگر وہ ہوتیں تو بتاتا۔"
 "مرد ہی کچھ کھوٹوری دیر کے لیے۔"
 "تم کیوں میرے پیچھے پڑی ہو؟" صدر پیرتھ کر بولا۔
 "اب یا تو تم یہ شہر چھوڑ کر جاکو جاؤ گے یا میں۔"
 "اے تم ہو کیا بلا؟"
 "اب اب یہ بلا لگنے لگی تمہارے۔"
 "ہم... ہم... ہم... گولی مار دیا کرتا ہوں۔"
 "چلو یہ ہم ہی لاؤ رافل یار لو اور جو بھی رکھتے ہو۔"
 "او... خدا میں کیا کروں؟" صدر اپنے بال مٹیوں میں جکڑ کر جھڑتا ہوا بولا۔
 "اے اے اے" اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔
 "مجھے تمہارا چہرہ دہشت میں پاگل ہو جاؤں گا۔"
 "اچھا اب کچھ نہ کہوں گی۔ چلو یہ ہاتھ بٹاؤ تاکہ ہم جلدی کچھ کھا سکیں۔"

بیدار میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ صدر اس سے ہاتھ چمڑا کر اُدھر چھپتا اور وہ پھر جہنم پڑی۔ صدر اپنی اداکارانہ صلاحیتوں پر عیش و عشرت کر رہا تھا۔
 فون پر دوسری طرف سے ایک ٹوٹی آواز آئی۔
 "وہ کیا چاہتی ہے؟"
 "یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔"
 "ٹھیک ہے اُسے بدل نہ کرنا خواہ وہ تمہاری چھت کے نیچے رات ہی کیوں نہ لہر کرنا چاہے۔"
 "بہت بہتر جواب۔"
 دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر اس نے بھی ریسیدر رکھ دیا۔
 رافیل نے کئی بار پروفیسر کو عمارت میں تلاش کیا لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکی۔ آج پروفیسر نے خطوط کے جوابات کے لیے بھی اسے کوئی ہدایت نہیں دی تھی لہذا اس نے ڈاک کو تحویل کاٹوں رستے دیا اور مزید پروفیسر کے لئے اُدھر پہنچ رہی تھی۔
 "میں سوچتی تھیں کہ تم اسے پرچو کو لے آؤ گے۔" اس نے دوبارہ پایا جیسے کسی تیز اور گونجیل آواز کی بنا پر جاگی ہو۔
 سارا جم ٹری مل کا کاپی رہا تھا اور سوچنے کی صلاحیت کسی دینے کی کوئی طرح تھوڑی ہی تھی۔
 "دفعہ درج کی سرگوشی سناتے میں گونجی۔ میں نے نہیں جگایا ہے۔" رافیل اپنا منہ بونٹ پتیا کر رہ گئی۔
 "کیا تم ڈرگٹیں؟" سرگوشی پھر سنائی دی۔
 "نہیں۔" رافیل نے حلق کے بل کہا۔ اس کا ایک لفظ کو ادا کرنے کے لیے اسے اپنی ساری جسمانی طاقت صرف کرنی پڑی تھی۔
 "کیا تم کچھ غلط ہو؟"
 "تم مجھے بہت جان سکتی ہو۔" رافیل نے جواب دیا۔
 "رات کی گھنٹی ہی ہو سکتی ہے لیکن تم اس طرح پتیا کر رہی ہو۔"
 اس کمرے میں نہیں سوئیں۔
 "میں خود کو بجا رہی ہوں۔" رافیل نے جواب دیا۔
 "جانا چاہتی تھی پروفیسر کو تلاش کیا۔ وہ پھر، ملے۔"
 "بھراؤ نہیں۔" کچھ دیر بعد طبیعت سنبھل جانے لگی۔
 "پروفیسر کہاں ہیں، میں جانا چاہتی ہوں۔"
 "وہ اپنے کمرے میں ہے۔"
 "او۔ ایک بات اور بتاؤ، بالائی منزل کے زینے کہاں ہیں؟"

پروفیسر بالائی منزل کا کرایہ ادا نہیں کرتا صرف بجلی ہی منزل اس نے کرایہ پر حاصل کی ہے۔
 "لیکن بالائی منزل کے زینے..."
 "صرف انہی باتوں سے سروکار رکھو تو تمہارے لیے فوری ہوں۔"
 "مجھے حیرت ہے کہ زینوں کے لیے بالائی منزل کا کرایہ کیا ہے؟"
 "عمارت کا مالک ہی بتائے گا۔ دوسروں کے راز کھولنا میرے بس ہے۔"
 "اس کمرے میں سب کچھ ہو سکتا ہے؟"
 "آج پہلی بار تمہیں اس قسم کے سوالات کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"
 "میں سب کچھ جانا چاہتی ہوں مقدس روح۔"
 "مجھے سب کے علاوہ سارے رنگوں سے نفرت ہے۔"
 "اگر غلطی سے کبھی کوئی دوسرا رنگ یہاں آجائے تو..."
 "نقصان... تباہی... لانے والا زندہ نہیں دے سکے گا۔"
 "میں جتنی الامکان احتیاط رکھتی ہوں مقدس روح۔"
 "تم نے ایسی کوئی غلطی نہیں کی ہوگی، میں جانتی ہوں۔"
 "میں خود کو تمہارے حوالے کرتی ہوں مقدس روح... تم میری حفاظت کرو گے۔"
 "میں یقیناً تمہاری حفاظت کروں گی۔"
 "اگر مجھے اس آدمی صدیقی سے دھشت ہوتی ہے۔"
 "ابھی بات ہے۔" اس نے اس سے گزرتا۔ میں اپنے بھاری اوٹو لائی کے ذریعہ میں یہ بات ڈال دوں گی کہ وہ خود ہی تم سے اس کے لیے کہے۔"
 "بہت بہت شکریہ اقدس روح۔"
 "اس کے بعد پھر وہ سرگوشی نہ سنائی دی۔"
 رافیل تھوڑی دیر تک بے حس و حرکت بیٹھی رہی پھر فون پر ایک کال آئی۔
 "اب اسے میری دراز میں ڈال کر مرنے کا کال کو اس میں پلٹ دینا۔"
 "اب وہ دراز میں کی دراز سے فون پر ایک ٹیبلٹ پھینک رہا تھا۔"
 "اس نے گھڑی دیکھی۔" اس کے اقامت کا وقت ہو چکا تھا۔
 "میں وہ پروفیسر سے ملنے نہیں آئی۔"
 "اب سوچتے سوچتے تھک گیا تھا اور اب وہ کچھ نہیں سوچتا۔"
 "میں لیکن خیالات کی زخوات ہشت کی پابند نہیں ہوتی۔"
 "ہل چکی تھی تو صدمہ کو اپنا منتظر پایا۔ دیکھتے ہی آگ لگ گئی۔"
 "اس نے بے حد تلخ لہجے میں کہا۔" مسٹر صدیقی میری طبیعت

ٹھیک نہیں ہے۔ میں خاموشی سے آرام کرنا چاہتی ہوں۔
 "مرد... مرنے والا اس نے یہ جانی سے دانت نکال دیے۔"
 "میں تو صرف حیرت و حیرت کر رہا تھا۔" صبح فون پر تمہاری آواز کچھ بھاری کی گئی تھی۔ میں نے سوچا کہ اس نے...
 "ہاں بالکل... میں پچھلی رات ہی سے سر کی کاٹر شمس کمر رہی ہوں۔"
 "اگر کوئی حرج نہ ہو تو کسی اچھے ڈاکٹر کو لاؤ۔"
 "نہیں شکریہ ادا میں میرے بیگ میں موجود ہیں۔" رافیل نے کہا اور اسے لاٹچ میں چھوڑ کر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔
 دروازہ بند کر کے لباس تبدیل کیے بغیر ستر پر بٹھ کر ہو گئی۔
 "پتا نہیں کب تک اسی طرح بے دم پڑی رہی۔" کچھ ہوش آئے پر محسوس ہوا کہ وہ اندھیرے میں آنکھیں کھلا رہی ہے۔
 "کسی نے کسی طرح اٹھ کر لاٹ آئی۔" گھڑی دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ تقریباً تین گھنٹے تک گھمبی نہیں رہی تھی۔
 "جہم کا جوڑ جوڑ کھڑا رہا تھا۔" حلق خشک ہو رہا تھا اور سانس لینے میں دشواری سی محسوس ہو رہی تھی۔
 "ہاتھ دھو کر پانی کا گلاس بھر کر چھوڑ دیا۔" رافیل نے پانی کے چھوٹے چھوٹے ٹھونڈے لپٹے۔
 "کچھ دیر بعد اوٹو دھلائی والے اٹھ کھڑے ذہن کی چپاں ملانے لگے۔" اس نے سوچا کہ اسے اس نوجوان سے پھر ملنا چاہیے۔ وہ اسے سب کچھ بتا کر اپنی اچھوتی کا حل طلب کر سکتی۔
 "فون پر کاؤنٹر کلرک سے رابطہ قائم کر کے اس نے گرم کافی کے لیے کہا اور ریسیدر رکھ کر دروازہ کھولا۔
 "گھوڑے لگی۔" کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس دلدل کے سر پر نکل سکے گی۔
 "صرف اوٹو دھلائی بلکہ وہ سرگوشی بھی فراہم ہی تھی۔ اگر وہ حقیقتاً کسی روح کی آواز تھی تو اسے یہ کہیں نہ معلوم چھوٹا کراس وقت بھی کمرے میں ایک شرح کتاب موجود ہے۔"
 "وہ اس وقت بھی کسی دوسرے رنگ کی تباہ کاریوں کا خوف ڈالتی رہی تھی۔"
 "خاؤ... ہونیمہ خاؤ۔" پتا نہیں اوٹو دھلائی اس سے کیا کام لینا چاہتا ہے۔ کہیں اس کا مستقبل کچھ خطرے میں نہ پڑ جائے۔
 "کچھ دیر بعد کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ دیر کا فی لایا تھا۔"
 "کیا تم سو رہی ہو؟" صدر نے جھلک کر اسے غلط کیا۔

وہ اندول کے کئی سینڈویچ کھانے اور دوپک کافی پینے کے بعد اوجھٹے لگی تھی۔
 "اوپ! اگر روٹے چورنگ کر کھیں کھویں۔ ایک تو اینٹک سی مسکراہٹ اس کے ہاتھوں پر پھیل گئی اور وہ نیٹی آنکھوں سے صدف کی طرف دیکھ کر منتانی۔
 "سوئے دو نا"

"یہاں اپنی جیت کے نیچے؟" صدف نے رات بھر اٹھا دیا۔
 "کیوں؟ تم کہتے ہو کہ میں باہر ہو رہی ہوں؟"
 صدف کچھ نہ بولا۔ کچھ اس قسم کی اینٹنگ کر رہا تھا جیسے مزید کچھ کہنے کے لیے مناسب الفاظ نہ مل رہے ہوں۔
 "تم بھی سو جاؤ۔ وہ دوبارہ صدف کی پشت گاہ سے بچتی ہوئی بولی۔

"تم آخر چار بج چکی ہو؟"
 "سکون! میں بہت تھک گئی ہوں۔ میرا کام اتنا دینے والی ہے۔ دن رات مریضوں کی چھینیں اور کرائیں سنتے رہو۔"

"یعنی... تو بچہ..."
 "میں سوچ رہی ہوں کہ ایک ہفتے کی ٹیجی لے کر یہاں ہمارے ساتھ قیام کروں۔"

"اے میرے خدا، میں کیا ہوں؟ صدف اپنی پیشانی پر ہتھیلیاں دیتا ہوا پڑ پڑا۔
 "تم بڑے اخلاق ہو! ایک بیک وہ سیدھی ہو گئی تھی وہ ابلی۔ صدف اسے گھورتا رہا اور وہ کہتی رہی۔ درندے جو تم، مکمل وحشی، تمہیں اس کا بھی سلیقہ نہیں کر لو گویں سے کیا برتاؤ کرتے ہیں۔ میری قوم کا کوئی آدمی اس آفر پر مجھے سر پر بٹھا لیتا۔"

"میرا سہرا اتنا مضبوط نہیں ہے، اپنی ہی قوم کے کسی آدمی سے بوجھ کر دے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں تو اب یہاں سے نہیں جاؤں گی نکال سکون تو نکال دو؟"
 "جہلم میں جاؤ؟" صدف نے کہا۔ وہاں سے اٹھاؤ خواب گاہ میں وہ اصل ہو کر روزانہ شکر لیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس اینٹنگ کا خاتمہ کس نقطہ پر ہو گا پھر یہ کیا حقیقت ہے کہ وہ ان کا قاری مل گئی ہے۔ کیوں عمران کے سلسلے میں چھان بین کرتے وقت وہ اس کی ان نظروں میں نہ آ گیا ہو۔ وہ اکثر عمران سے ملتا رہتا تھا۔ نہ وہ ان کی وہ ایک آدھ بار اس کے لیٹ میں گیا تھا جب کسی نے اس کے کال پر سوزش پیدا کرنے والا کوئی سیال گا دیا تھا تو پھر

کیا یہ عمران تک پہنچنے کی ایک اور کوشش تھی۔
 دفعہ وہ باہر سے دروازہ پینے لگی۔ نچے پتے باہر آ جاؤں جا رہی ہوں۔ اسکو ٹھہری تمہارے گھر ہی پہنچ جائے گا تین تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔
 "نہیں، میں خود اسے یہاں لاؤں گا، صدف نے کہتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

"باہر آؤ، گر ٹرو ڈسے سخت بلچے میں کہا۔
 "کیا مطلب... اب گئی دھولس جاؤ گی؟"
 "تو رنگ روم میں چلو۔ میں نہیں آؤں بیواؤں گی۔ ابھی ابھی عہد کیا ہے میں نے؟"

"تم مجھے آدمی بناؤ گی؟" صدف سحر سے ہنس اور اس کے کچھ جانا بولا اور انکڑا دھک کیا۔
 "میں نہیں سمجھ سکتی کہ آخر تم جیسے سیدھے لوگ کچھ کہتے ہیں؟"

"میں سرور تو نہیں ہوں۔"
 "میں انھیں سرور ہی سمجھتی ہوں۔ تم جیسے بچے اصولوں کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔"

"خیال ہے اپنا پتا؟"
 "میں تو سرخیز زندگی میں سفر کی کوششیں کر رہی ہوں۔"
 "تم ذہنی طور پر صحت مند نہیں معلوم ہوتی۔"

"تم سے زیادہ صحت مند ہوں... ایک تم تو رہی ہو؟"
 "خیر... خیر... تم مجھے میری لاش سمیت یہیں چھوڑ جاؤ۔ اگر میں اپنے اسکو ٹرکے لیے تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

وہ کچھ نہ بولی بلکہ چپکے بغیر کتا بوں کے ریک کی طرف دیکھنے جا رہی تھی۔
 "دفعہ اس نے کہا۔" تم جاسوسی ناول زیادہ پڑھتے ہو؟"

"کیوں؟ کیا یہ بھی میرے سرور ہونے کے دلیل ہے؟"
 "نہیں۔ یہاں کو کچھ جان نظر آتی ہے تم میں..."
 صدف بڑا سائنہ بناتے ہوئے دوسری طرف دیکھتا رہا۔
 "یہ بھی جاسوسی ناول پسند ہیں؟ کشن میں صرف یہی نہیں ہوں۔ یہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی سرائے میں سے لے کر لکڑیوں کا تفتاب کرتی ہوں۔ ان کے پاس میں سلاطین کا کس کے باقاعدہ پورٹریٹ ترتیب دیتی ہوں کیا یہ نہ کی گئی؟"

دور کرنے۔ تاکہ ایک دلچسپ طریقہ نہیں ہے۔
 "تم مجھے صرف پڑھنے کی حد تک پسند ہیں۔"
 "کبھی کبھار کوشش کرو۔ پھر دیکھنا کہتن لطف آتا ہے۔"

"یعنی میں یوں ہی خواہ مخواہ کسی شریف آدمی کا لقب شروع کر دوں؟"
 "کیا قیامت ہے اس میں؟ تم اس کی جیب تو کاٹو گے نہیں؟"

"پھر بھی وقت کیوں برباد کیا جائے؟"
 "میں کہہ رہی تھی کہ یہ اگلتے ہوئے ذہنوں کے لیے ایک بہترین تفریح ہے۔"

صدف نے اپنے جیب پر کچھ ایسے آشٹاری کیے، جیسے سنجیدگی سے اس سٹین پر غور کر رہا ہو۔ بالآخر کھنکھار کر بولا۔ یہ چیز خاصی دلچسپ ثابت ہو سکتی ہے۔

"ثابت ہو چکی ہے؟" گرڈوڈ اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولی۔
 "میں ذاتی تجربے کی بنیاد پر کہہ رہی ہوں۔"
 "کوئی ایسا وقت آج جب تم کسی کا تہہ کر کے دلچسپ نتائج حاصل کیے ہوں۔"

"ابھی حال میں میں ایک عجیب غریب آدمی کا تہہ کر رہی ہوں۔ لیکن اب وہ دکھائی نہیں دیتا۔ میں نے اس کی جاسوسی قلم کار کا لکھا تھا۔ عجیب آدمی تھا۔ راہ چلتے ہی حلیوں کو سٹین کے تھیلے میں جگے۔ دراصل اس چیز نے مجھے اس کا تہہ کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ انھیں بتاؤں میرے پاس ایک سرکاری کپڑا ہے۔"

اس سے قبل نے ایک بار اس کی تصویر بھی لے لی تھی۔ اس نے اس کی تصویر لے لی۔ یہ کپڑا دیکھنے میں سگریٹ لائٹر معلوم ہوتا ہے۔
 "وقت بیک وقت سگریٹ لائٹر بھی ہے اور کپڑا بھی۔ اس نے جلائے وقت میں دیا ہے تصویر کھینچ گئی۔ جس کی تصویر کی وہ لائٹ ہی رہا۔"

"اوہ... اوہ! نصف مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتا ہوا بولا۔
 "اوہ! اوہ! کچھ!"
 اب وہ ایک ایسا بچہ لگ رہا تھا جیسے پرستان کی کہانیاں سن رہی ہو۔

میں دکھاؤں گی؟ گرڈوڈ بولی۔ "اگر تم سرائے رسائی کرنا چاہو تو میں تمہیں بتاؤں گی۔ اوہاڑے سے کہتی ہوں۔ مطلب یہ کہ وہاں اس آدمی کا گھر دکھا دوں، اس کی تصویر بھی تمہارے پاس رکھ دوں۔ اس پر نظر رکھو۔ وقت دراصل سب سے کہہ کئی سال پہلے لکھی گئی تھی۔"

یہ بھی صرف پڑھنے کی حد تک نہیں ہے۔ بس کبھی کبھار کوشش کرو۔ پھر دیکھنا کہتن لطف آتا ہے۔

"لا فیلے دو اس کی تصویریں دیکھ دوں گا۔"
 "تھیلے... ہاں! وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ یقیناً وہ پرس میں ہی بیٹھ ہوگی۔"

اس نے میز پر رکھا ہوا پرس اٹھایا۔ اسے کھول کر دکھا کر بولی۔
 "یہ بھی ایک چھوٹی سی تصویر نکال کر صدف کی طرف بڑھتی ہوئی نہ رہی۔"

اور صدف کی کھوپڑی مات کر رہی تھی۔ یہ عمران کی تصویر تھی۔
 "تو یہ بات ہے؟" اس نے سوچا۔ اب عمران کو ڈھونڈ نکالنے کے لیے یہ طریق کار اختیار کیا جا رہا ہے۔ غیر ملکیوں کو اس کے قتل کے اس پاس سے ہٹا لیا گیا ہے۔ اجنبیوں اور تارکوں کو آکر کار بنایا جا رہا ہے۔ بہت خوب۔"

"یہ تصویریت ہی ہے اسی معلوم ہوتا ہے۔" صدف نے کہا۔
 "یہی چیز تو تو کتا کا باؤٹ بھی تھی۔"
 "میں ضرور اس کی کڑائی کروں گا۔"

"بس تو پھر جیو۔ میں ابھی نہیں اس کا مکان دکھانے دیتی ہوں۔"

رافیل نے کس پر اسرار و جوں کو اپنی رام کہانی سنا دی تھی اور اب وہ خاموش بیٹھا منتظر تھا۔ انداز میں وہ رہا کہ سلاہ تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ تو یہ در وطن کے خطوط ہوتے ہیں ذرا تفصیل پھر تو بتانا۔

"ایک تو وہ ہوتے ہیں جن میں صرف کسی ایک جانور کا نام اور تحریر کرتے کا وقت درج ہوتا ہے۔ دوسری قسم کے خطوط میں صرف جانوروں کے نام ہوتے ہیں۔"

"شروع سے آخر تک صرف جانوروں کے نام؟" فوجوان نے پوچھا۔ اور پھر نہیں ہوتا ان میں۔

"قلبی نہیں۔ میں ان کا بغور مطالعہ کرتی ہوں۔ ان میں جانوروں کے یہ شمارناموں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔"
 "اچھا تو پھر تم نے اس پر بھی غور کیا؟ چونکہ مختلف جانوروں کے نام ہوتے ہیں یا بعض جانوروں کے نام دہرائے جاتے ہیں۔"
 "دہرائے بھی جاتے ہیں۔"

"اور پھر وہ خطوط نوٹ لگا کر جواب ٹاپ کرنے کے لیے تمہارے پاس واپس نہیں آتے۔"
 "کبھی واپس نہیں آتے۔ پر یہ فیصلہ نہیں ہے۔ یہی پاس کہ ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ وہ مخالف روتوں کے ٹوکوں کی حرکت ہے۔ فوجوان کسی سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس

مجھے سو فیصد یقین ہے کہ تمہیں یقین نہ ہو تو چلو میرے ساتھ۔

”کہاں چلوں؟“

”نروانی بیچ۔“

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی: ”میں چلوں گی نروانی بیچ تو بڑی پر نقصان جگہ ہے۔ میں ایک بار وہاں تھی تھی۔ کیا نام ہے اس خوب صورت سے ریسٹوران کا؟“

”وہاں کئی ریسٹوران ہیں۔“

وہ لباس تبدیل کرنے کے لیے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

صفر سرگٹ سلگا کر منہ پر نیم دراز ہو گیا تھا۔

پندرہ بائیس منٹ بعد وہ واپس آئی۔

”اسے تم آؤنگے رہے ہو؟“ اس نے جبکہ کر پوچھا۔

صفر چونک کر پھر اٹھ بیٹھا۔ ”گرٹرڈ نے بڑے شورخ رنگ کی لپ اسٹک استعمال کی تھی اور روڑا اٹا لگایا تھا کہ کال

تمہارے سے لگ رہے تھے۔“

”اور ہاں!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی: ”اسکوڑے چلیں گے۔“

”بالکل غلط! یہ ناممکن ہے۔“

”کیوں؟“

”میں اس طرح کبھی شہر میں نہیں نکلا۔ میرے بس سے باہر ہے۔“

”سچ کہتی ہوں بے حد تکلیف وہ ثابت ہو رہے ہیں۔“

”جہم تمیں جاؤ میں یہ چلاؤ صفر اٹھتا ہوا لولا۔“

”باہر قدم نکال کر دیکھو۔ پور پور چلتا ہی ہوتی، پیچھے

دونوں گی۔“

صفر دھم سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ چہرے پر پلاکی بے بسی

طاری تھی۔ الی الگ تھا جیسے ابھی ابھی یتیم ہو جانے کی اطلاع

ملی ہو۔

”گرٹرڈ! سنو! پڑی پھر بولی: ”اچھا چلو اپنی ہی گاڑی لے

چالو گی۔“

”کہہ رہا ہوں کہ ہوتی ہی فیاٹ اسپتال کے کپڑاؤں سے

اب لال رہی تھی۔ صفر دھم سے اٹھ کر اٹھتا تھا۔“

”گرٹرڈ نے کہا کہ اگر تو خیال ہے کہ تم اپنے یہاں کی ٹرکوں کی

تعمیرات ڈال دیا ہے۔ ساتھ ساتھ انہیں چلا کر دے۔“

”میں اب کہاں کی بات کا کام نہیں دوں گا۔“

”تمہیں بہت کچھ سننا پڑے گا۔ میری زبان رکنا

نہیں جانتی۔“

صفر کچھ نہ بولا۔ ”گرٹرڈ کہتی رہی۔“ میں بعض اوقات

دیواروں سے گفتگو کرتی ہوں۔“

”یہی اچھا ہے کیونکہ دیواریں ہاتھ نہیں رکھتی۔“

”سنو! ایک بار ایک عورت نے مجھے بہت پٹا خازندگی میں

ہر لحظہ نے پن کی تلاش اکثر جب بڑے خطرات کا سامنا کرنا پڑتی

ہے۔ کئی سال پہلے جب میں زیر تعلیم تھی۔ ایک شام ایک میاں بیوی

سے ملے پھر ہو گئی۔ میں تنہا ایک پارک میں ٹہل رہی تھی۔ دوسرے

کوئی ایسا نہیں ملتا جس سے گفتگو کی جاتی لہذا زبان میں گہلی

ہو رہی تھی۔ وہ دونوں ایک بچہ پر فیسے آؤنگے رہے تھے۔ تیرے

پچھلی اور بڑی بے تکلفی سے مرے شانے پر ہاتھ مار کر بولی۔ جو

دیر اس رات تو تم ایسے فتاب ہوئے تھے کہ میں عورت نے انھیں

پھاڑ کر مجھے دیکھا اور مرو کی پہلے تو گھٹی بندھ گئی پھر جی کو اکیس

رنگاٹنے لگا۔ پتا نہیں کیا کہا تھا اس نے غالباً ہی کہا ہو گا کہ

مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گھینچتی ہوئی

بولی۔ ”اٹھو یہاں آئیے بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ چلو میرے ساتھ نہیں

اور چل کر بیٹھیں گے۔ بس پھر کیا عورت بھڑک اٹھی اس طرح

ٹوٹ پڑی ہم دونوں کے ہاتھوں پر کچھ اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

بیچ کر بولی کیا کہتی ہے اکیلا بیٹھا ہے۔ اسے میں اس کی بڑھ

ہوں۔ میں نے کہا تب پھر یہ خود چھوٹا ہو گا۔ اس نے تو مجھ سے

کہا تھا کہ اس کی شادی ہی نہیں ہوتی۔ وہ کہہ کر بتا تھا کہ

تھوڑا سا دیر میں بھی تھا۔ فوراً ہی اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پا کر

بیٹھا۔ چلو میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم مجھ سے قریب سے جانتی ہو۔

ذرا میرا نام تو بتانا۔ یہ جملہ اتنا اچانک تھا کہ میں سنبھلا گئی۔ اس

کوئی جواب بھی نہ دینے پائی تھی کہ اس کی بیوی کا کچھ نہیں

پر پڑا اور ساتھ ہی وہ چیختی بولی، حرافہ... نام بتا۔ ظاہر ہے

کیا نام بتاتی پھر تو اس نے مجھے دونوں ہاتھوں سے پٹینا شروع

کیسے تو آنکھوں میں کہکشاں تیرتی چلی گئی۔

صفر سن کر اور وہ کہتی رہی: ”پھر اٹھ اٹھ کر چلی جاؤ

بچا نام مشکل ہو گیا۔ بیوی برابر پیچھے جا رہی تھی۔ یہ حرافہ پیش قدم

خوش ہو کر تیرے دے رہی تھی۔ بلاؤ پولیس کو کچھ دے دے۔ میں

نے دیکھا بات بھڑکانے کی اس کے شوہر پر ٹوٹ پڑی۔ وہاں

ہاتھوں سے پٹ ڈالا اور کہنے لگی اس... نے مجھ

اشارہ کیا تھا۔ کیا بھگتا ہے بہر حال کچھ لوگوں کے ہاتھ

پر میری گھر خلاصی ہو سکتی تھی۔“

100

”بہت خطرناک ہو۔“ صفر بولا۔

”اور یہاں تمہارے ملک میں تو اگر ارہ چلتے کسی کی

طرف اشارہ بھی کر دو تو اس کی ہڈیاں پسلیاں برابر ہو جائیں

گی۔ تم لوگ اس مقابلے میں بہت زیادہ حساس واقع ہوئے ہو۔“

”بلاشبہ اگر سربراہ کوئی مرد کی عورت کو چھیڑ دے تو

ہم اُسے اپنی دانست میں قتل کر دیتے ہیں۔“

”لہذا پچھ چاپ میری مرضی کے پابند ہو جاؤ۔ میرے

بہروردوں کی تعداد زیادہ ہی ہوگی کیونکہ میں غیر ملکی ہوں۔“

اس وقت گاڑی شہر سے نکل کر ایک کسان شہر پر

چل رہی تھی۔ صفر نے کہا: ”اچھی بات ہے میں اس سے

پہلے ہی کیوں نہ اپنا سبب برابر کر دوں۔“ ساتھ ہی اس نے

گاڑی کی رفتار کم کر دی اور اسے بائیں جانب کچے میں آنا لگا۔

”یہ کیا کر رہے ہو؟“ ”گرٹرڈ نے بوکھلا کر پوچھا۔

”یہاں سنا سنا ہے، میں عذر دہن مل سکیں گے۔“

”کیا مطلب؟“

”پیشوں کا تمہیں اس وقت تک پیشہ نہیں کاجب

مک ہے ہوش نہ ہو جاؤ۔“

گاڑی رک گئی۔ اب بن کر بند کر دیا گیا۔

”دماغ خراب ہوا ہے۔“

”پہلے سے پہلے نہیں تھی حاصل ہے کہ میرے بارے میں

ی دانستے ظاہر کر سکو۔“

”کیسی؟“

”یہی کہ میرا دماغ خراب ہے اور کسی کو خواہ مخواہ پیٹ ڈالنا

تمہاری کی علامت تو نہیں ہو سکتی۔“

”کیا سچ ہے... کیسی کہ...؟“ وہ صفر کے بے حد عجیب

کے کا جائزہ لیتی ہوئی بھلائی۔

”بلاشبہ۔“ صفر نے اس طرح ہاتھ بڑھایا جیسے اس کے

مذہبی میں جکڑ لینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

”اسے ارے!“ وہ پیچھے ہٹا۔

”خاموش رہو! صفر نے غصہ کیا۔ وہ بلیک بچہ کے بغیر

کی آنکھوں میں دیکھ کر جارہا تھا۔

”یہی کہ...؟“

”شاپ! وہ اتنے زور سے دہرا کر گرٹرڈ بھوک

ساتھ ہی اس نے جیب سے بڑا سا چاقو نکال کر

چاقو کو کمر بٹ کے ساتھ کھلاتا اور یہ کمر کمر بٹ

گرٹرڈ کے جسم کی تھر تھری کے متوازی معلوم ہوتی تھی۔

”اپنا رومل اپنے منہ میں ٹھونس لو تاکہ چھین نہ لگیں۔“

وہ سانپ کی طرح پھنکارا۔

”اسے تم یہ کیا کر رہے ہو؟“ وہ رو ہانسی اور زمین ہمتانی۔

”بھگوس نہیں۔ رومل اپنے منہ میں ٹھونس لو۔“

”ارے... ارے... ہو ہو ہو۔“ وہ بڑی طرح کانپ

رہی تھی اور ڈری ڈری لائی لائی آوازیں اس کے حلق سے

نکلنے لگی تھیں۔

صفر نے چاقو کا پھل اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا

اور ایک بے ساختہ قسم کی طویل بیچ سناتے میں دو رنگ تیرتی

چلی گئی۔

صفر کسی طرح بھی اپنی ہنسی نہ روک سکا۔

”بس دھری دے گی ساری اگر تو سن۔“

”اوہ... اوہ... وہ دہانتی ہوئی بولی۔“ ہونٹوں پر بھی

بہر کی مسکراہٹ نظر آئی اور پھر بیک بیک اس کے منہ سے گالیوں

کا طوفان اُٹھ پڑا۔

صفر بے تحاشا ہنسنے جا رہا تھا اور وہ سے سرو پٹا تھا

میں اسے برا بھلا کہہ رہی تھی جب تنگ کی تو کھڑکی پر ہاتھ

ٹیک کر سسکیاں لینے لگی۔

”اب ہم نروانی بیچ کی طرف جا رہے ہیں۔“ صفر نے

چپکتی ہوئی آواز میں کہا اور ان اسٹارٹ کر دیا لیکن وہ اسی

طرح سے روٹھنے لگی۔

گاڑی نروانی بیچ کی طرف بڑھتی رہی اور رفتہ رفتہ اس

کی سسکیاں معدوم ہوتی گئیں۔ بالآخر وہ بالکل ہی پرسکون ہو

گئی لیکن سراب بھی اسی طرح کھڑکی پر ٹکا ہوا تھا۔

صفر بھی خاموش ہی رہا۔ فی الحال اسے نہیں پھرنا

چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی نروانی بیچ کی حدود میں داخل ہوئی صفر

اب بھی کچھ نہ بولا۔ وہ بدستور اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔

ایک جگہ اس نے گاڑی روک دی اور اس کے شانے پر

ہاتھ رکھ کر مضطربانہ آوازیں کہا: ”دیکھو دیکھو... وہ رہا۔“

وہ چونک پڑی۔ سر اٹھا کر خالی خالی نظروں سے صفر

کی طرف دیکھا۔

”بائیں جانب کھڑکی میں۔“ صفر نے دند سکرین پر نظر

ہائے ہوئے آہستہ سے کہا۔

اس نے سر گھمایا۔ بتائی کہ ہوتی کھڑکی پر نگاہ ڈالی۔ پھر دیر
دیکھتی رہی یہی سمجھتا رہی ہوتی آواز میں بولی یہ ہل رہی ہو
واپس چلو، میری طبیعت خشک نہیں ہے۔
اس کے بعد پھر پہلی سی پوزیشن میں آگئی یعنی کھڑکی پر
پشتیانی لگا دی۔

”گھنٹی کی آواز سن کر اسے ڈرائنگ روم میں لے گیا اور وہ
پروفیسر کے باغ میں کھڑا ہوا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کون سا ہے۔“

”اودھو کیا حضرات وغیرہ کا پتہ بھی ہے؟“
 قطعی ہے بعض ستارہ شناسی سے کام نہیں چلتا۔ ستاروں
 کے حسابات بعض اوقات غلط بھی ہو جاتے ہیں لیکن رُوحوں کے
 لگائے ہوئے حسانات و سوسنہ... درست ثابت ہوتے ہیں۔“
 صدیقی اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بخور می دیر
 یہ بھڑائی ہوئی آواز میں بولا۔

خواب اسی جگہ سے بھر شروع ہو جائے جہاں سے نکلنا تھا یہ
 ”آپ نے الیسیا کیوں چاہا تھا؟ صرف میری ہی؟ اس بار بار فانی
 کی آواز کسی قدر صلی تھی۔ میں نہیں جانتا... میں کچھ نہیں جانتا
 خدا کے لیے میرے بارے میں کوئی ٹھہری رائے قائم نہ کرنا چاہتا
 میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں... میں کیا کروں؟“

خدا کے لیے اس سے کہہ دینا کہ مجھے معاف کر دے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اب وہ براہ راست تمہیں ہی احکامات دے رہی ہے۔
 رافیلہ کچھ کہنے بے خبر تھی اسے کھڑی اور روح دلے کمرے میں جی اٹی لیکن وہ اپنے پیچھے قدروں کی چاب تک نہ رہی تھی۔
 دروازے کے پاس پہنچ کر کھڑی۔ برو فیئر سانس نہ کر سکتا تھا۔ اس کی صورت بنائے۔ اس وقت اس کا چہرہ خوفناک نظر آنے کے بجائے مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔

”برو فیئر دلائی! بعض اوقات تم بہک جاتے ہو؟ رافیلہ نے سر دھجی میں کہا۔

”میں نہیں سمجھا۔“ اس بار اس نے نظر اٹھائی اور خود بھی کچھ بدلے ہوئے سے لگے۔

”میں کیا ضرورت تھی کہ شران وغیرہ کے معاملات میں پڑے؟ اس حد تک تو تنہا کھانا کھانے سے ایک تکلیف سے نجات دلائی تھی۔ تمہارا یہ کام نہیں کہ دو دشمنوں کے درمیان سمجھوتہ کرواؤ؟“ دلائی کے سپرد کی رینگت بھر بدل گئی اور وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ یہ براہ راست روح کی سرزنش ہے۔ یہ براہ راست ”وہ تمہارے مستحق شہادت میں مبتلا ہو سکتا ہے“

”ہاں! میں سمجھتا ہوں بے بی، اسی لیے میں نے اسے صاف جواب دے دیا تھا میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اپنے معاملات خود نمٹاؤ۔ لیکن بے بی میں اسے بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ جو فک کو کوئی گزند پہنچے کیونکہ وہ روح کے خادموں کی اولاد ہے۔“

”میں اس مسئلے میں بھی روح کے مشورے کے بغیر کوئی قدم اٹھانا چاہتی تھی۔“

”تھیک ہے۔ تم معلوم کرو اور مجھے معاف کر دو۔“ دلائی نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

مشاورت نام کی جانے کی سرنگٹ سگڑا ہوا تھا کہ پائیں باغ کی گاڑی کی آواز آئی۔ وہ اٹھ کر کھڑکی کے قریب آیا۔

”ادھ! اس نے ہوش بھینچ لیے۔ گڑبڑ کی فیاض تھی۔ اس نے آواز نہ دیکھا پھر وہ اسے آواز میں دیتی ہوئی اندر آئی۔

”اچھا! میں نے جانتا تھا۔“ اس نے کہا اور آواز میں سرخ تھیں۔

”اچھا! میں نے جانتا تھا۔“ اس نے کہا اور آواز میں سرخ تھیں۔

”اچھا! میں نے جانتا تھا۔“ اس نے کہا اور آواز میں سرخ تھیں۔

”کون؟ کس کی باتیں کر رہی ہو؟“ صفدر کے لیے کی حیرت خود اسے بھی متحیر کر دے رہی تھی۔

”عمران... علی عمران کی“

”کون علی عمران؟“

”وہی جسے تم نے مجھے روانی بیچ کے ہٹ میں دکھایا تھا؟“

”میں کچھ نہیں سمجھا۔ تم کیا کہہ رہی ہو۔ اسے کون سا ڈالے گا؟“

”ادھ... میں تمہیں کیسے بتاؤں؟ میں کہتی ہوں جلدی کرو۔“

”کمال ہے میں اس سے کیا کہوں گا کیسے کہوں گا! میری اس سے جان پہچان تو نہیں؟“

”اچھا جاؤ باہر دیکھو، اس پاس کوئی ایسا آدمی تو موجود نہیں جو میرا تعاقب کرتا ہو یا یہاں تک آیا ہو؟“

”صفدر جس پڑا پھر پولا۔ یہ آخری منزل ہے جاسوسی ناہلوں کے شائقین کی۔“

”میں میں سمجھ رہی ہوں۔ مذاق نہ سمجھو میں المیتان کر لینا چاہتی ہوں۔“

”کیا واقعی سمجھ رہی ہو؟“

”یقین کرو صفدر... جلدی کرو۔“ وہ گھٹکی آئی۔

”صفدر کو اس اچانک تبدیلی پر حیرت تھی۔ وہ باہر نکل آیا۔“

”دور دور تک کسی کاپتا نہیں تھا۔ مگر منٹ تک گرو دیش کا جائزہ لیتا رہا پھر گرو دیش کے پاس لوٹ آیا۔“

”کوئی نہیں۔“ مجھے تو ایسا کوئی بھی نہیں نظر آیا جس نے شہ کیا جا سکے۔“

”لیکن میں میرے ساتھ ضرور دیکھا گیا ہوگا۔“

”کیا بات ہوئی؟“ لاکھوں نے نہیں دیکھا ہوگا۔“

”مطلب یہ کہ ان لوگوں نے ضرور دیکھا ہوگا جس علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔“

”آخر تم کس ناول کے پلاٹ کی ریسرچ کر رہی ہو؟“

”صفدر اسے بچاؤ، خدا کے لیے ورنہ میں مرنے کے لیے سکون نہ پاسکوں گی۔“

”آخر کیا پکڑ رہے؟“

”میں ابھی تک نہیں دھوکا دیتی رہی ہوں۔“

”ایک خاص مقصد کے تحت نہیں اس آدمی کی تلاش؟“

”تھر جانتی نہیں۔“

”ادھ! صفدر نے اس طرح انھیں نکالیں جیسے اب کچھ عقل اچلی ہو۔“

”ہاں، یقین کرو میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گی لیکن تم پہلے اسے مطلع کرو کسی طرح بھی۔“

”میں اس کا فون نمبر تو جانتا نہیں۔“

”تمہیں اس کے پاس جانا پڑے گا۔“

”تنہا؟“

”ہاں اس بار تو تنہا ہی جانا پڑے گا۔“

”لیکن میں کیسے کہوں کہ اس بار میری دھوکا نہیں کھائے گا؟“

”یقین کرو یہ دھوکا نہیں ہے۔ میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔“

”پھر کسی قسم کا فیصلہ ہوتا تو نہیں بتاتی کیوں؟“

”ہاں... اول... تو مجھے اس سے کیا کہنا ہوگا؟“

”میں اس کے دشمنوں کو مل رہی ہوں کہ وہ اس وقت کہاں ہے لہذا اسے وہ جگہ فوراً چھوڑ دینی چاہیے۔“

”اچھی بات ہے میں جا رہی ہوں۔“

”لیکن تم تنہا اپنی جان دو گے۔“

”صفدر نے ہنسنے لگا۔“

”میں نہیں۔“ وہ جھٹکا گئی۔

”تم شاید مجھے پورا جاسوس بنا دینے پر تڑپ گئی ہو۔ میں کیا مالوں میں ایک آپ کس پڑیا کا نام ہے؟“

”میں تو جانتی ہوں، سلمان بھی ساتھ لائی ہوں۔ اس کے بارے میں دیکھو۔“

”میں نے اسے دیکھ لیا۔“

”میں نے اسے دیکھ لیا۔“

”میں نے اسے دیکھ لیا۔“

”میں نے اسے دیکھ لیا۔“

”میں نے اسے دیکھ لیا۔“

”میں نے اسے دیکھ لیا۔“

”لیکن وہ تیسرا دن ہے۔“

”اب جا بھی چکی ہوگی صحت سے۔ واپسی پر بتاؤں گی میں۔“

”میں سمجھ گیا۔“

”کیا سمجھ گئے؟“

”تم کسی طرح مجھ سے اس حرکت کا انتقام لینے کی کوشش کر رہی ہو؟“

”میں نہیں صفدر ہرگز نہیں! معصوم مریم کی قسم! صبح کی قسم! ایسی کوئی بات نہیں۔ تمہاری اس حرکت نے تو مجھے رات پر لگا دیا ہے۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔“

”میں تمہاری قسم پر اعتبار کر کے جا رہی ہوں۔“

”تم مجھے جھوٹا نہ پاؤ گے۔“

”صفدر نے باہر نکل کر اسی ہٹ کڈائی میں اسکو ٹہنیلا اور کسی ایسے ٹیلی فون بونٹ کی تلاش میں میں روانہ ہو گیا جہاں سے ایکسٹرواس نے ڈیویسٹ سے آگاہ کر سکے۔“

”ایک جگہ ایک ایسا ٹیلی فون بونٹ مل ہی گیا جو بالکل خالی تھا۔ صفدر نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا اور سکہ ڈال کر رانا تیل کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔“

”اس نے مختصر ٹٹے حالات کے بارے میں بتاتے ہوئے مشورہ طلب کیا۔“

”دوسری طرف سے ایکسٹرو کی آواز آئی۔ تم اتنا وقت ادھر ادھر گزار دو بتنے میں بیچ تک جا کر واپس آسکے ہو پھر اس سے جا کر کہہ دینا کہ اس کی مرضی کے مطابق سب کچھ کر آئے ہو۔“

”بہت بہتر جواب۔“

”میں فی الحال خاموشی سے حالات کا جائزہ لیتے رہی۔“

”صفدر نے دوسری طرف سے سلسلہ متقطع ہونے کی آواز سن کر لیسوورنگ سے لگا دیا۔“

”اب کچھ وقت باہر ہی گزارنا تھا جو گزرتا رہا۔ ویسے جب وہ دوبارہ گھر پہنچا تو گڑبڑ حسب عادت اس کی منتظر نہیں تھی، لیکن جاتے جاتے اس نے ضروری سمجھا تھا کہ اس وعدہ خلافی کے حوالے سے ایک تحریر چھوڑ جاتی۔“ اس نے لکھا تھا ”صفدر ڈیر! میری ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے اس لیے مناسب نہیں سمجھتی کہ اس وقت ہسپتال کے کیمبا ڈنٹ سے باہر پائی جاؤں! تو تم سے کہہ مجھے معاف کر دو گے، اگر حالت سنبھل رہی تو جلدی۔“

”میں نے اسے دیکھ لیا۔“

”میں نے اسے دیکھ لیا۔“

”میں نے اسے دیکھ لیا۔“

”میں نے اسے دیکھ لیا۔“

”میں نے اسے دیکھ لیا۔“

”میں نے اسے دیکھ لیا۔“

”میں نے اسے دیکھ لیا۔“

پھر مل گئی۔
صفر نے اس کی اطلاع بھی ایک ٹونک پہنچا دی اور
ادھر سے ہدایت ملے کہ وہ بھی گھر ہی تک محدود رہے۔

سمندر کی جانب سے تیز اور خشک ہوا بہہ رہی تھی۔
عمران نے طویل آنکڑائی کی اور کھڑکی کے پاس سے ہٹ
آیا۔ باہر اندھیرا پھیل گیا تھا۔ وہ کسی گھری سوچ میں غرق ہوتا
تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے فون پر رانا پتلیں کے نمبر ڈائل کیے
اور دوسری طرف سے بلیک بیری کی آواز سن کر کوڑو رڈز میں
کہا: ڈیوڈ کو سانپ سے ڈسوا کر پلری نالی کی سڑک کے قریب
والی جھالوں میں ڈلوادو۔ اس کے جسم پر ایسے کپڑے پہنے
چاہئیں جیسے اس نے غائب ہو جانے کے بعد سے جنگل ہی میں
زندگی بسر کی ہو!

”اے... لیکن...“ بلیک بیری دوسری طرف سے کہلایا۔
”جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کے خلاف نہ ہونا چاہیئے۔ ان
میں سے جو بھی ہاتھ لگا اُسے بہر حال کسی نہ کسی پہلے مرنا ہی
ہوگا۔ حالات کا تقاضا یہی ہے۔“

”کیا آپ کسی خاص نتیجے پر پہنچ چکے ہیں؟“
”ہاں...“ عمران غمناک رہا۔ ”بہر حال اُسے جھالوں میں ڈولانے
کے بعد کسی بھی خفے کو فون کر دینا کہ فلاں فلاں ایک انگریز مر چکا ہے۔
لفظ انگریز ہی استعمال ہونا چاہیئے کیونکہ عام آدمی ہر مفید کام
کو انگریز ہی کہتا ہے بس۔“

اس نے سلسلہ منقطع کر دیا اور فون کے پاس سے
ٹپٹا ہوا ہٹا لیا۔ باسٹوڈس۔
اس نے ساری کھڑکیاں بند کر دیں۔ دروازے بولٹ
کے مٹی کو دھن دان کے شیشے بھی نہ کھلے رہنے دیے اور پھر وہ
سمیٹ کر لیٹ گیا۔ تھکے کے پیچھے ہاتھ ڈال کر لیو اور کوٹھولا
اور بائیں کونٹ پر کھڑکیوں بند کر لیں۔

روانی بلیک بیری کی اس سستی بہت آہستہ آہستہ سکوت
طاری ہوتا جا رہا تھا۔ بلیک بیری کے روشن دانوں میں کہیں دھندلی
روشنی نظر آرہی تھی اور اس کی روشنی۔

سامنے سے نکالنے والی لہر کا شور کبھی کبھی تیز ہو جاتا۔
تھریٹیا گیا رہنے ہٹ گیا۔ کونٹے کے کھم کی گھنٹی کی آواز
آئی اور عمران اچھل پڑا۔ گھنٹی بستیوں کی رہی تھی۔ وہ آواز
کی طرف جھپٹا۔

جہاں رکھا تھا اس کمرے کا دروازہ بند تھا اور اسی کمرے
نے گھنٹی کی آواز دی تھی۔

قتل کے سوراخ سے اندر جھانکتے ہی اندازہ ہو گیا کہ اس
کی اکیم کامیاب ہوئی ہے لیکن ضروری نہیں تھا کہ اس وقت بھی ہٹ
کے باہر بھی کسی قسم کا خطرہ موجود نہ ہو تاہم اس نے دیوار سے
لگے ہوئے ایک سوپرچرگ پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ گھنٹی کی آواز غم ہو گئی
اب وہ دیے پاؤں باہر جا رہا تھا۔ پیل ایک کھڑکی کھولی۔
چند لمبے اندھے سے آنکھیں پھاڑتا رہا پھر باہر نکل آیا۔ لہروں کے
شور کے علاوہ اور کسی شے کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔
ہٹ کی پشت پر ایک بڑی سی دیں کھڑی دکھائی دی۔
اتنا گہرا اندھیرا ابھی نہیں تھا کہ وہ دیں کی موجودگی یا عدم موجودگی
کا اندازہ نہ کر سکتا۔

اگلی سیٹ بالکل خالی تھی۔ قریب پہنچ کر بولٹ پر ہاتھ
رکھ دیا۔ انجی کمرہ تھا۔ دیں کا بچھا حصہ خالی تھا۔
وہ تیزی سے واپس ہوا۔ ہٹ میں داخل ہو کر پھر اسی
کمرے کے سامنے پہنچا جہاں گھنٹی کی آواز آئی تھی۔

جب سے گئی نکال کر دروازے کا قفل کھولا۔
میں دھندلی سی روشنی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے فرش
کمی رنگ ایک دوسرے سے گتے ہوئے قلابا زیاں کھا رہے ہوں۔
عمران نے ایک سوچ اُن کیا۔ کمرے میں تیز تر کی روشنی
پھیل گئی اور تب معلوم ہوا کہ یہ کچھ نہیں بلکہ دو آدمی ہیں جو ایک
جال میں پھنسے ہوئے اس سے نکل جانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔
”میرے ہاتھ میں لڑو اور سہا،“ عمران غمناک رہا۔
ہو جاؤ۔ تمہارے ہاتھ مجھے نظر آئے جانتے جاؤ گوی مارو کا
انھوں نے بے جون و چرا تعمیل کی یہ دیکھی ہی تھی۔
”ادھو! تو تم ہونٹیں... بہت اچھے! عمران نے کہا۔
”بڑی زیادتی ہوگی اگر میں اس ملاقات کو ایک اعزازی دور
میں تبدیل نہ کر سکتا تو اسے اپنی بد نصیبی سمجھوں گا۔ مجھے تو یہ
کہ تم بھی مجھے جانتے ہی ہو گے۔“

ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ عمران کھڑکیاں بند کر کے
اتنا ہی احمق سمجھتا ہوں کہ میں اتنا بڑا روشن دان ہوں کہ
رہنے والوں کا جس سے گزر کر کوئی میرا گھر کے آواز سے
وقت اس روشن دان سے گزر سکتے ہیں۔ میرا یہ اندازہ
درست ہی نکلا تو تمہارے آقا اب اپنے سفید ساتھیوں
ایسے کاموں پر نہیں لگائیں گے۔“

دوسری صبح جبکہ پولیس وٹرانس سانی کے لیے بہت بڑے
در دوسری حالت تھی۔ انھیں نوٹیل ڈیوڈ کی لاش مل گئی تھی۔
حال ڈیوڈ کی لاش اس کے کپڑے پیسے ہوئے تھے اور جسم
پر منوں خاک تھی۔ ابتدائی طبی رپورٹ کے مطابق وہ مار گزری
کیس تھا چھار پوسٹ ملے تھے بھی اس کی تائید ہو گئی۔ کسی بہت
زیادہ نہیں بے سانپ نے اسے کاٹا تھا۔

بہر حال یہ سسٹم پولیس کے لیے مقرب بنا ہوا تھا کہ وہ اچانک
غائب کیوں ہوا تھا اور جنگل میں کیوں رو پڑی اختیار کی تھی۔
پھر دو لاشیں اور ملیں۔ یہ نریش اور دیں کے سرکریسی
کی تھیں۔ ان کی دین ایک کھڈ میں اٹی پڑی تھی۔ ایک کی
گولن کی پڑی ٹوٹ گئی تھی دوسرے کی ریزہ چھٹی پڑی۔

دوسری اطلاع سے کیپٹن فیاض کو سرکلر نہیں تھا۔ وہ
تو نوٹیل ڈیوڈ کے سلسلے میں پریشان تھا لیکن اس کی پریشانی زیادہ
دیر قائم نہ رہی۔ اس کے ماتحتوں کی ٹیم جو پلری نالی کے جنگل میں
چھان بین کر رہی تھی۔ بالآخر ایک چھوٹا سا سوٹ کیس بھی پائے
میں کامیاب ہو گئی۔ اس میں کچھ کاغذات تھے۔ ایک شراب کی خالی
بوتلی تھی اور دو تین روپے انھیں کاغذات میں ایک نوٹ بک بھی
ملی جس پر نوٹیل ڈیوڈ کا نام اور پتہ تحریر تھا۔ وہ نوٹ بک کی ورق
گردانی کو سننے لگا اور پھر ایک جگہ اسے پوری طرح متوجہ ہو جا پڑا۔
یہ ایک ایسی کہانی تھی جس نے نہ صرف نوٹیل ڈیوڈ کے بارے
میں کچھ ظاہر کیا بلکہ ایک مادے پر بھی روشنی ڈالی۔ یہ حادثہ اونچی
بلکلیا والی پہاڑی سے تعلق رکھتا تھا۔ شاید نوٹیل ہی سننے
والا متھکے میں یہ کہانی لکھی تھی۔ وہ اس خوب صورت عورت
کو اس پہاڑی پر سے لیا تھا لیکن وہ اس پر تیار نہ تھی۔ جو
کہ وہ چاہتا تھا۔ زبردستی پر آمادہ ہوا تو جھگڑا نکلی۔ اس طرح
وہ پہاڑی سے نیچے گری۔

اس کے بعد نوٹیل کے اپنے تاثرات تھے۔ وہ خائف تھا
اس کا غیر ملازم کر رہا تھا۔ وہ کسی ایسی جگہ جاکر پناہ مانگا تھا
جہاں اس کے علاوہ اور کوئی نہ ہو۔ وہ اپنے ہی جیسے کسی دوسرے
ان کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔
اس تحریر نے اگلے چل کر کچھ ایسی شکل اختیار کر لی تھی جس
سے صاف پتا چلتا تھا کہ لکھنے والا ذہنی طور پر غیر متوازن ہوتا
ہو رہا ہے۔

بہر حال اس نے انکشاف کے بعد از سر نو جھگڑا دوڑ

شروع ہو گئی۔ نوٹیل ڈیوڈ کے دفتری کاموں کے فائل نکلائے
گئے اور شام تک طرز تحریر کے ماہرین نے فیصلہ کر دیا کہ دائری
کی تحریر نوٹیل ڈیوڈ ہی کے ہاتھ کی تھی۔
فیاض نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ دونوں ہی کیس سلیج
گئے تھے اور وہ ان کے مضامین کے بارے میں کچھ نہیں سوچنا چاہتا
تھا۔ اونچی بنگلیا میں پائے جانے والے تار کے ٹپے کبھی اس نے
ذہن سے نکال بھیٹا۔

”جہنم میں جاسے۔“ وہ ہنستا ہوا کسی کی پشت سے بگ
گیا اور صوب میں بڑے ہوئے سرگرمی کے پیک کو ٹپٹنے لگا۔
دفعہ فون کی گھنٹی بجی اور اس نے بڑا سامنے بنا کر لیس بور
اٹھا لیا۔

”ہیلو“
”کون بولی رہا ہے؟“
”فیاض“
”میں عمران ہوں“

”میں نے آواز پہچان لی تھی۔ فیاض نے تلخ ہنسنے میں کہا
اور میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ فوراً ہی اردلی کمرے میں آیا۔
”تھنہ جو فون اور سٹیشن کو کیوں پکڑا ہے؟“
”تا کہ ان سے تمہارا پتا معلوم کیا جائے۔“ فیاض نے
سامنے بڑے ہوئے بیڈ پر پینل سے جلدی کچھ کچھ ہنسنے

”وہ نہیں جانتے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
”کچھ بھی ہو۔“ فیاض نے کاغذ بیڈ سے الگ کرتے ہوئے
اردلی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ اردلی نے اسے لے کر کچھا اور
تیزی سے باہر چلا گیا۔

”میں نے سنا ہے کہ تم عدالت سے ان کا ریکارڈ لینے والے ہو۔“
”ہاں، درست ہے۔“

”نیچے بازار میں تمہیں تنگ کردوں گا فیاض اگر تم نے ایسی
کوئی حرکت کی۔ میں یہاں سے تمہارا تبادلہ کر دوں گے کی صلاحیت
رکھتا ہوں۔“

”بکومت اتم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تم ایک بہت بڑے
محلے میں اٹھ گئے ہو۔ نہیں اس کی جواب دہی کرنی ہے۔
خیریت اسی میں ہے کہ فوراً مجھ سے ملو۔“
”اُس بڑے محلے کی نوعیت؟“
”ایک ایسی عمارت میں تمہاری انگلیوں کے نشانات ملے
ہیں جس کا کچھ حصہ کسی قسم کے دھماکے کی وجہ سے اڑ گیا ہے اور

وہاں سے تین لاشیں برآمد ہوئی ہیں جن میں سے تین غیر ملکی تھے ایک بھٹی دہی تھا جو بیان دینے سے پہلے ہی چل بسا۔ جو زوت یا سیلین کی انگلیوں کے نشانات ضرور ملے ہوں گے؟ عمران غریبا۔

”نہیں، وہ تو اس لیے پکڑے گئے تھے کہ تمہارا پتا جانتے ہوئے بھی قانون کی مدد نہیں کر رہے ہیں۔“
”میں کہتا ہوں وہ نہیں جانتے۔ اگر ان پر ذرہ برابر بھی تشدد ہوا تو تمہارے حکم کو سر کے بل بکھرا ہونا پڑے گا۔“
”یوں اس بند کرو۔“

”فیاض میں نہیں جانتا کہ تمہاری تو بین ہو اس لیے بہتر ہی ہے کہ ان دونوں کو چھوڑ دو۔ اگر تم نے میرے مشورے پر عمل نہ کیا تو ممکن جاتی قسم کی بھڑکا پڑے گی تم پر اور تم کم از کم ایک ہفتہ تک نہ بسورے پھر گئے۔ صرف ایک گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں۔“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن فیاض کے چہرے پر ناگاری کے آثار نہیں تھے۔ اس کے برعکاس اس کی آنکھیں جگمگ رہی تھیں۔ ایسی ہی چمک تھی جیسی کسی محلے میں کامیابی کا یقین ہو جانے کے بعد آنکھوں میں پیدا ہوتی ہے۔ چیز غمات کے بعد اس کا ایک ماتحت کمرے میں داخل ہوا۔
”مجھ نہیں معلوم ہو سکا جناب!“ اس نے کہا۔
”کیا بکتے ہو؟“

”ایکس چیف نے یہی اطلاع دی ہے جناب۔ آپ کے فون کا میٹر کال کو تیار نہ تھا لیکن اس نے اس نمبر کی طرف قطعی رہنمائی نہیں کی کہ جہاں سے کال ہو رہی تھی۔“
”یہ کیسے ممکن ہے؟“

”آپ خود براہ راست ایکس چیف سے معلوم کر لیجیے۔“
فیاض پیر چیخ کر کھڑا ہو گیا۔
”متم جاسکتے ہو؟“ اس نے کہا اور ماتحت چپ چاپ باہر نکل گیا۔

بہر حال فیاض نے ایکس چیف سے براہ راست جو معلومات لیں وہ ان سے مختلف تھیں۔ اس نے یہ پہلے ماتحت نے بہم پہنچائی تھیں۔
”وہ کسی کی پشت کا وہ لک بٹائی کا پسینہ خشک کرنے لگا۔“
”تھوڑی ہی دیر بعد اسے دوسرے آدمی کے سدا چار

ہونا پڑا۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر جنرل کے آفس میں ملے ہوئی تھی۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ اسے حضور مشاوردت کے کمرے میں جانا ہے۔

اسے ڈی جنرل تنہا نہیں تھا۔ فیاض نے سر سلطان کے پرسنل سیکریٹری کو بیٹھ دیکھا اسے ڈی جنرل نے فیاض سے کہا کہ وہ عمران کے فنکشن پر شش والہ فائل موجود ترین اطلاعات سر سلطان کے پرسنل سیکریٹری کے حوالے کر دے۔

کلن دبا کر بڑی کرنا پڑا۔
”گھڑی دیکھی تو عمران کے دیے وقت کے پوسے ہوئے میں صرف دس منٹ باقی رہ گئے تھے۔ اس نے جاری جلدی متعلق ماتحت کے نام جو رٹ اور سیلان کی رہائی کے لیے احکامات جاری کیے اور کچھ ہونے والے کے ساتھ اپنے آفس میں آ بیٹھا۔

عمران اب چھ دانش منزل میں دکھائی دے رہا تھا بلیک زیرو بھی رانا پتلیں سے نہیں واپس آ گیا تھا۔ عمران نے اس سے کہا تم واقعی تھک رہے ہو۔ جو کچھ تم نے کیا ہے اس کا خیال مجھے بھی نہیں آیا تھا اب جولو پلیس کے دو کمپس نوٹس دے گئے ان کا فوری کے بغیر اس کی لاش ملی ہوئی تو پولیس کو پھر اور حذر ملنا پڑے گا۔“
”بس جناب! چاہی کہ یہ خیال یہاں ہوا تھا کہ پولیس کی رہنمائی کے لیے بھی کچھ نہ پھر ہونا ہی چاہیے۔ بڑے ڈاؤنچر استعمال کرنے پڑے تھے اس کہانی کے لیے ڈیویڈ رات بہت بے چین نظر آ رہا تھا۔ میں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اپنے تائمرات کو کچھ ڈالے اس طرح بھی اعصابی انتشار کم ہو جاتا ہے۔ سب اس کی سمجھ میں آگئی اور اس نے خود بخود ہی سب کچھ کھڈالا جو اس سے لکھوانا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ قدرتی طور پر اپنی ڈائری ہی استعمال کرنی تھی۔ کسی قدر نشے میں بھی تھا۔ بہر حال سب کچھ بہت آسانی سے ہو گیا۔“

کچھ دیر خاموشی رہی پھر بلیک زیرو ہی بولا لیکن آپ نے اس سے پہلے بھی ایسے آدمی کے ساتھ ایسا براؤ نہیں کیا جسے پوچھ گچھ کے لیے روک رکھا گیا ہو۔“

”میں اس پر مجبور تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔“

”دوستوں کی ڈھکی چھپی دشمنی کا مقابلہ اسی طرح کرتے ہیں۔“
”میں نہیں سمجھا۔“

”فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔ بہر حال میں انہیں جن جن کوشش کروں گا اور ان کے مقامی رینٹوں کا خاتمہ بھی اسی طرح ہو گا۔“

”ادھو! میں ان دونوں کے بارے میں تفصیل پوچھتا ہوں یہی گیا تھا۔“

”میں نے صرف اس روشن دان کو کھلا چھوڑا تھا جس سے ایک آدمی باسانی گزر سکتا ہے اور روشن دان کے نیچے جال لگا دیا۔ انتظام یہ تھا کہ جیسے ہی کوئی جال میں جھپٹے گھنٹی کی آواز مجھے گا کہ کر دے۔ وہ کچھ ایسے بکھلائے ہوئے تھے کہ ایک کے بعد دوسرے نے بھی کمرے میں کودنے کی ٹھان رکھی تھی۔ لہذا دونوں ہی پھنس گئے اور صرف وہی دونوں آئے بھی تھے۔ کوئی تیسرا موجود نہیں تھا۔ بہر حال میں انھیں جال سے نکال کر اس کمرے میں لایا جہاں ضیافت کا سامان پہلے ہی موجود تھا۔ میں نے انھیں ریلو اور دکھائی گئی بلانی کو مدد سے ہونے پھر انھیں گاڑی میں ڈال کر اس مقام تک لے گیا تھا جہاں سے گاڑی کو کھڈا میں گرا تھا۔ گاڑی گرائی اور پھر کچھ پہنچا۔ وہ دونوں اس وقت مرے نہیں تھے پھر ان میں سے ایک کی گردن توڑنی پڑی تھی اور ایک کی رٹھ کی بڑی۔“

”اور یہ سب آپ نے تنہا کیا تھا؟“
”بھڑ بھڑ سے کھیل کر جانتے ہیں۔ خیر ختم کر دو۔ گڑبڑ کے بارے میں کیا پوچھ رہے؟“
”ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی۔“

”خیر۔۔۔ زوروش دراصل براہ راست اسی کو جواب دہ تھا۔ زوروش کو اس نے وہاں میری موجودگی کی اطلاع دی تھی اور کہا تھا کہ وہ مزید مشوروں کے لیے روٹی مل سے ملے۔“
”لیکن پھر خود ہی صفحہ سے جا کر بتا بھی دیا تھا کہ آپ خطرے میں ہیں۔“

”یہی چکر تو کچھ میں نہیں آیا۔“
”تو یہ روٹی مل ہی ان لوگوں کا بیٹھ ہے۔“
”یقیناً۔“

”پھر اب اس کے لیے کیا کریں گے آپ؟“
”بس دیکھتے جاؤ۔ ابھی تو صرف وہ سفید فاق نصرت ہوئے ہیں یا میرے ہیں جو ہماری نظروں میں آ گئے تھے۔ ویسے پتا نہیں اس اور کتنے ہوں گے اور کہاں کہاں ہوں گے؟“

”ہاں۔“
”سفید رائے مکان ہی تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ گڑبڑ اس رات سے نہ تو خود آتی تھی اور نہ فون کے ذریعے رابطہ قائم کیا جاتا۔ صفحہ کو اس نے پہلے متح کر دیا تھا کہ وہ اسے اسپتال

کے فون پر کبھی مخاطب نہ کرے۔

آج صبح صفحہ نے سوچا تھا کہ خود ہی ایک سو سے رابطہ قائم کر کے پوچھ گا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے لیکن ٹھیک اس وقت جب وہ باتیں یا سخی کی یادوں میں پانی دسے رہا تھا گڑبڑ کی فیٹ بھاگنے سے گزر کر اس کے قریب ہی والی روش پر لگی۔ صفحہ کین رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ آج تو وہ دوسرے ہی رنگ میں نظر آتی لیکن یہ رنگ بھید کا تھا۔ ہونٹوں پر بڑبڑاہنگ تھی اور بڑگالوں پر رور باؤڈ بھی نہیں استعمال کیا گیا تھا۔ سفید اسکرٹ اور بلالوز میں تھی۔ بالوں کو سفور نے میں اہتمام نظر نہ آیا۔

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ صفحہ نے قریب جا کر پوچھا۔
”اندر چلو! وہ گاڑی سے اترتی ہوئی مصطفیٰ کو آؤں گی۔“
صفحہ اسے مکان کے اندر لے آیا۔ وہ اس طرح صوفے پر گر گئی جیسے ٹھکن سے چور ہو۔

”کیا بات ہے؟“ صفحہ نے پوچھا۔
”میں بہت پریشان ہوں صفحہ۔ کوئی ایسا نہیں جس سے اپنی پریشانیوں کا تذکرہ کر سکوں۔ تم بھی ملے ہو تو ایسے ہی۔“
”ایسے ہی کا کیا مطلب ہے؟“
”اول جلول۔۔۔ جیسے تمہیں کسی بات کی پروا ہی نہ ہو۔“
”یہ تم نے کیسے کہہ دیا؟“

”میں نے تم سے کیسے کیسے کا لیے ہیں لیکن تمہیں ان کی وجہ جاننے کی فکر نہ ہوئی۔ تمہاری جگہ اور کوئی ہوتا تو خود ہی مجھ سے ملنے کی کوشش کرتا۔“

”ارے یہ کیا؟“ صفحہ بے پروائی سے ہنسا۔ کیا میں نہیں جانتا کہ تم زندگی کی کیا سبب سے آسانی ہوئی ایک شریہ لڑکی ہو۔ ویسے مجھے اپنے میک اپ پر اب تک ہنسی آ رہی ہے، اور وہ منظر بڑا پسند تھا جب میں نے اس شریف آدمی کو آگاہ کیا تھا کہ وہ خطرے میں ہے اور اس کی موجودہ قیام گاہ کا علم دشمنوں کو ہو چکا ہے۔ وہ بے جا حرجت سے نہ بڑھائے سنتا رہا تھا پھر قبل اس کے کہ وہ اس سلسلے میں کوئی سوال کرتا میں وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔ آواز ہی ہی دیتا رہ گیا تھا چار۔“
صفحہ نے خاموش ہو کر قہقہہ لگایا پھر سر ہلا کر بولا۔
”میں خوب سمجھتا ہوں۔“
”کیا سمجھتے ہو؟“

”نہ وہ خطرے میں تھا اور نہ کوئی اس کا دشمن ہے۔ یہ بھی

تہاڑی ایک شرارت تھی۔ تم یہ سوچ سوچ کر لطف لیتی رہی ہوگی
کہ وہ اس واقعہ کی بنا پر شدید ترین الجھن میں پڑ گیا ہوگا۔

”ادھ“
”شاید آج پھر کوئی شرارت سوچ کر آئی ہو۔ چلو یہی
میں بھی لطف اندوز ہونے لگا ہوں۔ وقت اچھا گزرتا ہے۔“

”وہ ہونٹ بیچنے ایک ٹک اُسے دیکھتی رہی۔“
”ہاں... ہاں... کہو... اب کیا کرنا ہے؟“

”کچھ بھی نہیں، اُسے بھول جاؤ۔ وہ طویل سانس لے کر بولی۔“
”ظاہر ہے۔“ صدف سر ہلار بولا۔ ”حفاظت یاد رکھنے کی
چیز تو ہوتی نہیں۔“

”میں سمجھتی تھی کہ تم سے سب کچھ کہہ کر جی ہلکا کر لوں گی لیکن
تم غیر سنجیدہ ہو۔“ وہ کچھ دیر بعد بھڑائی ہوئی آواز میں بولی۔

”اور تہاڑی اداکارانہ صلاحیتوں پر ایمان لے آیا ہوں۔“
”خیر تم کرو۔ میں کافی پیوں گی۔ مسلسل دو راتوں سے

باگ رہی ہوں۔ ذہن بھر بھر رہ گیا۔ ایک سگریٹ دینا چاہیے۔“
”صدف نے سگریٹ کا پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔“

”سنگا دوٹ گزرو بولی۔“
”صدف نے سگریٹ سنگا کی لٹائی اور وہ باغ بڑھا کر اُسے لیتی

ہوئی بولی۔ اب اس زندگی سے جی بھر گیا ہے۔“
”یہی ہوتا ہے جب شرارتوں کا اسٹاک ختم ہو جائے۔“

”آزماہات میں بھی بخل ہی سے کام لینا چاہیے ورنہ ایک دن
سونا پڑتا ہے کہ اب کیا کیا جائے؟ اور پھر زندگی خشک پڑیوں

کا دوا بختم معلوم ہونے لگتی ہے۔“
”کیا تم اس افنا شرارت کو کچھ دیر کے لیے ذہن سے محو

ہو کر رہ گئے؟“
”صدف اب بھی نظروں سے اُسے دیکھتا رہا جیسے اس بجلے

کے منہ پر ایک ڈھونڈی رسانی نہ ہو کر ہو۔“
”میں ایک ظالم لڑکی ہوں۔ مجھے اس کام پر مامور کیا گیا

تھا کہ میں اس آدمی کا جاننا لوں۔ میں نے طریق کار کے لیے تجربے
کے طور پر اس آدمی کا جاننا لوں۔ میں نے طریق کار کے لیے تجربے

کے طور پر اس آدمی کا جاننا لوں۔ میں نے طریق کار کے لیے تجربے
کے طور پر اس آدمی کا جاننا لوں۔ میں نے طریق کار کے لیے تجربے

کے طور پر اس آدمی کا جاننا لوں۔ میں نے طریق کار کے لیے تجربے
کے طور پر اس آدمی کا جاننا لوں۔ میں نے طریق کار کے لیے تجربے

”تم مظلوم کیوں ہو، اور تمہیں اس کام پر کس نے مامور کیا؟“
”میں نہیں صرف اپنی مظلومیت کی داستان سنا سکتی

ہوں۔ یہ میرے فرشتے بھی نہ بتا سکیں گے کہ میں کس کے ظلم کا
شکار ہوں۔“

”تم کیوں نہ بتا سکو گی؟“
”میں نہیں جانتی کہ وہ کوئی فرد واحد ہے یا کوئی تنظیم۔“

”صدف کچھ نہ بولا۔“
”وہ کہتی رہی۔ اس وقت کو یاد کرو جب تم مجھے نروانی بیچ

لے جا رہے تھے اور تم نے جاکو نکالا تھا۔ میں نے تہاڑی آنکھوں
میں اپنی موت دیکھی تھی اور مجھے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ کالے

پیلے یا سفید جسموں میں دوڑنے والا خون ایک ہی رنگ رکھتا
ہے۔ ذہن پر بے ہوشی نے خون کے جسموں کی رنگت کے اعتبار

سے انک نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ایسے ذہنی چنگ سے دوچار
ہوئی تھی، اس وقت جس نے میرے جسم سے وہ کھال اتار دی

جس پر رنگ و نسل کی تہیں لگی ہوئی تھیں لیکن پھر بھی فیصلہ
ذکر پائی کر مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اسے دیکھ کر آئی اور اسی ذہنی

انشار کے عالم میں اس آدمی کو گاہ کر دیا جسے تمہارے دکھانے
ہوئے آدمی سے پٹنا تھا لیکن پھر وحشت اس قدر بڑھ گئی کہ

تمہارے پاس دوڑی آئی کہ تم کسی طرح اُسے آگاہ کرو۔ اُسے
بے ادو کہ وہ خطرے میں ہے۔ وہاں سے ہلک جیلے میں نہیں

جاتی کہ اس کا کیا حشر ہوا لیکن ان دونوں آدمیوں کا حشر
میری آنکھوں کے سامنے ہے جو اس کے لیے گئے تھے۔“

”ان کو کیا ہوا؟“
”کیا تم نے آج کا اخبار نہیں دیکھا، وہ تصویریں نہیں

دیکھیں، کھڑکیں اٹھی ہوئی ہیں اور دولاٹھوں کی تصویریں ایک
کی گردن ٹوٹ گئی تھی اور ایک کی ریڑھ کی تھڑی۔“

”ادھ... ہاں، میں نے خبر پڑھی تھی۔ پولیس کا خیال
ہے کہ ان دونوں نے بہت زیادہ پی کر رکھی تھی۔ ڈرائیو کرنے والا

اس مقام پر گاڑی کو نہ سنبھال سکا اور وہ کھڑکیں ہمارے پاس
”لیکن وہ ہماری نہیں تھی کہ وہ دونوں اتنی زیادہ پی کر رکھا

ہوتے۔ انھیں ایک آدمی کو زبردستی قالو میں کر کے وہاں لے آئے۔“
”لیکن سنو تو یہی، ان مرنے والوں میں سے ایک تو ہم

بڑا آدمی تھا۔ خود پولیس کی رپورٹ میں اسے ایک چالاک اور
قانون شکن لکھا گیا ہے۔ ایسے آدمیوں کا کیا ٹھیک

”مجھے بھی ہو، وہ ظالم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہاں تک

گرمیش کیا۔“

”ارے بھئی ایسے پیش آیا ہوگا جیسے پولیس نے بتایا ہے،
اخبار والوں کو۔“

”لیکن وہ لوگ اس سے مطمئن نہیں ہیں۔ ان کا خیال
ہے کہ یہ حرکت اسی آدمی علی عمران کی ہے۔ اس نے کسی طرح آپس

قالو میں کسے ختم کر دیا اور پولیس کو غلط راہ پر ڈالنے کے لیے
گاڑی کھڑکیں گرا دی گئی۔“

”تو تمہارا یہ مطلب ہے کہ اس نے نہیں پکڑنے کے بعد
زبردستی شراب پلائی ہوگی۔“

”ہو سکتا ہے۔“
”ارے جاؤ صورت سے بالکل بچنا اور دھیلا ڈھالا

آؤی معلوم ہو رہا تھا۔“
”وہ ایسا ہی ہے۔ مجھے خاص طور پر ہدایت ملی تھی کہ بہت

کی کچھ کام کروں۔ جو مجھے وہ نظر آتا ہے حقیقتاً اس کے گہرے
”تو پھر اب میں کیا کروں؟“ صدف نے کہا اور پھر اچھل

پڑا۔ اب اس کی آنکھوں سے خوف تھا کہ اس کا راجہ چلے
گزرے کہ پھر بے نظر چھائے رکھنے کے بعد بھی کبھی جی ہنسی

کے ساتھ بولا۔ ”میں تم مذاق کر رہی ہوں۔“
”میں سنجیدہ ہوں صدف۔“

”یعنی تم نے مجھے کسی ایسے پکڑ میں پھانس دیا ہے جو
کال دست اندازی پولیس ہے۔“

”ہاں ہے تو لیکن تم اس سے بے فکر ہو کر کیوں پولیس
اس مادے کو اس روشنی میں دیکھ رہی ہے جس کا خدشہ نہیں

”ہاں ہے۔“
”پھر بھی یہ تم نے کیا کیا کر ڈرو؟“

”میں اس پر بھی نادم ہوں لیکن اس وقت میں کچھ اور
بہت تم پر ڈروے ڈالے تھے اب کچھ اور ہوں۔ جوش میں

ہوں اور یہ سوچ سکتی ہوں کہ کالے یا سالوے جسموں میں بہنے
والوں ہمارے خون سے مختلف نہیں ہوتا۔“

”ہاں بس! خدا کے لیے اب مجھ سے نہ مننا۔“
”اس لیے آئی تھی کہ صدف تم مجھے ہمدردی کا اظہار

کرتے ہو۔“
”ارے میرے تو تو اس غائب ہو گئے ہیں۔ یہ سب کچھ

”میں گہری ہمدردی کرتی ہوں۔“
”اگر تم نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا تو پھر میری زندگی خطرے

میں پڑ جائے گی۔ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔“
”کیوں؟ کیا مطلب؟“

”کسی بھی جوان آدمی سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی
کہ وہ کسی جوان اور حسین لڑکی سے جو قابل حصول ہوا چاہے

قطع تعلق کر سکے گا۔“
”اچھا تو پھر؟“

”وہ بھی نہیں گے کہ تم حقیقت سے گاہ ہو گئے ہو اور
یہ آگاہی میرے ہی توسط سے ہوئی ہوگی۔“

”کچھ بھی ہو مجھے تو خوف ہی رکھو۔“
”تمہیں اس وقت میرے ساتھ باہر چلنا پڑے گا۔“

”ابھی تو تم کافی پیئے ہو کہ کبھی نہیں جھیں۔“
”ہم کیوں باہر نہیں گے؟“

”بھئی! میں تمہارے ساتھ باہر نہیں جاؤں گا۔ صدف
اٹھتا ہوا بولا۔ تم یہیں کافی بیٹو گی۔“

”اس نے اسے ڈراٹنگ روم ہی میں چھوڑ کر کون کاٹھ لگا
ابھی کیتی میں بیانی بھی نہیں ڈالا تھا کہ وہ بھی موجود تھی۔“

”تم آخر میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟“
”پہلے کافی پھر باتیں، میں بھی ذہنی شکن محسوس کر

رہا ہوں۔“
”پھر کافی کا دوڑ خاموشی ہی سے چلا اور اس کے بعد وہ

سگریٹ سنگا کو صوفوں پر نرم دراز ہو گئے تھے۔“
”صدف نے محسوس کیا کہ گزرو ڈکا اٹھال پہلے سے بھی

کچھ زیادہ بڑھ گیا ہے۔“
”کیا تمہیں نیند آرہی ہے؟“ اس نے اس سے پوچھا۔

”میں سیرم میں جا سکتی ہوں۔“
”نہیں، میں جاگنے تر جانا چاہتی ہوں۔ پتا نہیں کیوں ایسا

محسوس ہو رہا ہے کہ اگر کچھ لگ گئی تو پھر دوبارہ بیدار نہ ہو سکوں گی۔“
”اس دوران میں تم نے بہت زیادہ جاسوسی ناول پڑھ

ڈالے ہیں شاید امیرامشورہ ہے کہ تم آرام کرو لیکن تم نے مجھے
ابھی تک اپنی مظلومیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟“

”کیا یہ میری مظلومیت کی کہانی نہیں ہے کہ سونا چاہتی
ہوں مگر سونا نہیں سکتی۔“

”یہ مظلومیت نہیں بلکہ تمہارا اوجہ ہے۔“
”ادھ! تم نے بھی کچھ اسباب ہوئے ہیں صدف! یہ خود رو

تو نہیں ہوتے؟

”تم بتانا نہیں چاہتے؟“

”کچھ دن تو اور جی لینے دو مجھے دہے کہ میں تم کسی پولیس والے سے ساز باز کر بیٹھوں؟“

”میں بھی سوچ رہا تھا“

”اس پکڑ میں بھی نہ پڑنا۔ میرے خلاف کچھ بھی نہ ثابت کر سکو گے۔“

”یہی سوچ کر تو خاموش رہ جانا پڑا ہے۔“

”خاموشی بھی میں بہتری ہے۔ کسی سے بھی ان واقعات کا تذکرہ مت کرنا۔“

صفر کچھ نہ بولا۔ وہ خلاص گھوڑ رہی تھی۔ بار بار اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگتی جیسے نیند کے دباؤ کے خلاف جدوجہد کر رہی ہو۔

صفری دیر بعد اس نے کہا: ”میں میری خاطر سے ایک بار اور اس سب تک جانا پڑے گا یہ معلوم کرنے کے لیے کہ وہ آدمی اب بھی ویسے یا نہیں۔ بس دور ہی سے اندازہ کر کے دیکھ آجانا۔“

”آخر کیوں؟“

”میں انہیں جواب دہ ہوں صفر۔ مجھے بھی حکم ملا ہے کہ انہیں دہاں بھیج کر معلوم کروں کہ وہ اب بھی وہیں موجود ہے یا نہیں؟“

”فرض کرو میں واپس آکر تمہیں کوئی غلط اطلاع دوں!“

”مجھے اس سے سروکار نہیں۔ میں تو انہیں مطمئن کرنا چاہتی ہوں کہ تم میرے کہنے کے مطابق کام کر رہے ہو۔“

”میری زندگی تو خطرے میں نہیں پڑے گی؟“

”ہرگز نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس بار کوئی نہ کوئی دھوکا لگاتا ہے کہ یہ ضرور دیکھے گا کہ تم وہاں جلتے بھی ہو۔“

”تمہاری بات پر حال فطریہ میں ہوں گا۔“

میرا کہا ہوا وہ دھوکا نہیں لگتا تھا۔ بس صرف ایک بار اور میں کھڑی ہوں۔ لیکن میں نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ اگر کوئی صفر تو یہی کہتا ہے کہ اس کا کوئی نہ لگتا ہے۔“

صفر ٹھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا: ”ایک شرط پر جاؤ۔۔۔ کیا شرط؟“

”تم میرے جانے کے بعد سو جاؤ گی۔“

”اوہ! تمہیں اتنا خیال ہے میرا۔“

”پپ۔۔۔ پتا نہیں لیکن میں بھی اپنی اس چاقو والی حرکت پر کافی پیش پلانی رہا ہوں۔“

”چھوڑ دو۔ وہ پچھلی سی ہنسی کے ساتھ بولی اسی حرکت نے تو مجھے نجات کا راستہ دکھایا ہے۔ اچھا میں وعدہ کرتی ہوں کہ سو جاؤں گی۔“

یہ لو ایک کچی تم اپنے پاس رکھ کر دوڑا دوڑا کر اندر سے مقل کر لیتا واپس پریش دوسری کچی سے قفل کھول لوں گا۔“

صفر جانتے جانتے تیلی فون کی لائن ڈیٹ کرنا نہیں چھوڑا تھا۔ میں جتنی شکاک اس کی عدم موجودگی میں ایکسٹرنل کال آجاتی تھی میں اور اپنی کوئی دوسری چیز نہیں تھی جس کی بنا پر

گر وڈ اس کے بارے میں کچھ معلوم کر سکتی۔

وہ زونائی کچی طرف رواں ہو گیا۔ چونکہ گر وڈ نے واقعہ کے امکانات کے بارے میں پہلے ہی بتا دیا تھا اس لیے اس بار اس نے ایک سو کو مطلع کرنے کے لیے کسی ٹیلی فون لائن کا استعمال نہیں کیا۔

تین چار میل ہی کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے اندازہ ہو گیا کہ ایک شکستہ حال سی پانی گاڑی اس کے پیچھے کی ہو رہی ہے۔ اس نے عجب غما آئینے کی پوزیشن ایسی کر دی کہ گاڑی کی

نظر آتی رہے۔

بہر حال وہ گاڑی کچھ فاصلے پر برابر دیکھی جاتی رہی۔ یقین کے لیے صفر نے ایک جگہ اسکو ٹروک دیا اور اسے ٹھہرانے سے ٹکا کر ایک دکان سے سگریٹ خریدنے لگا۔ اس نے دکان سے دیکھا تو وہ گاڑی کچھ آگے بڑھ چکی تھی لیکن پچھلے سے

ہوئی۔ سگریٹ کے کورہ پھر اسکو ٹری طرف آیا۔ اتفاق کے ساتھ دانی گاڑی تقریباً سو گرنے کے فاصلے پر رکی تھی اور ڈرائیور کو

کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کون سا راستہ لے رہا تھا۔ صفر نے اسکو لڑا لڑا

کیا اور اس گاڑی کو پیچھے چھوڑ دیا پھر زونائی کچی کی طرف

لگ گیا۔ ذرا ہی سی دیر بعد وہ گاڑی پھر دکھائی دینے لگی۔

پچھلے ہی کی سی رفتار سے اس کے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

صفر اس ہٹ تک پہنچ گیا لیکن اسکو وہاں سے صفر کی طرف

پر جا کر روکا۔ انجین بند کر دیا اور خود اتر کر صفر کی طرف

رہا پھر ٹھہرا ہوا اس ہٹ کے سامنے آیا۔ صفر نے اسکو

ہوا پڑا اس قفل دور ہی سے دیکھا جیسا کہ اس نے

جانب والی دھلان پر وہ گاڑی بھی کھڑی دیکھی جو اس کا تعاقب کرتی رہی تھی۔ ڈرائیور اسٹیزنگ کے سامنے ہی بیٹھا سگریٹ

پی رہا تھا۔ صفر چند لمحے ہٹ کے سامنے ٹھہرا رہا پھر اپنے سکوڑ کی طرف چل پڑا۔

واپس کے سفر میں اسے وہ گاڑی نہ دکھائی دی اور وہ سوچتا رہا کہ گر وڈ نے اسے کسی دوسرے جال میں پھانسنے کے

لیے تو یہ سب کچھ نہیں کیا۔

بہر چند کہ وہ گاڑی اب نہیں دکھائی دیتی تھی لیکن صفر نے اب بھی مناسب نہ سمجھا کہ راستے ہی میں نہیں رگ کر بدر لید

فون ایکسٹرنل کو اس واقعہ سے مطلع کر دے۔

پھر پہنچا تو صفر دروازہ مقل ہی ملا۔ قفل کھول کر اندر آیا۔ خواب گاہ میں جہانگاہ گر وڈ اس کی مہربانی پر بے خبر سو

رہی تھی۔

مورلی فرام عمران سے کہہ رہی تھی ”سٹریٹنگ کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں اس وقت کیا چاہتی ہوں؟“

”تم چاہتی ہو۔۔۔ چاہتی ہو۔۔۔“ عمران ناک ٹھوں پر زور دیتا ہوا بڑبڑایا ”غالبا یہ چاہتی ہو کہ کچھ چلا جاؤں۔“

”فقطی عطا۔۔۔ میں کبھی نہ چاہوں گی! حقیقتاً میری خواہش ہے کہ تم میری ایک تجویز مان لو۔“

”تجویز؟“ عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

”ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔“ مورلی نے آہستہ سے کہا: ”میں بہت شک گئی ہوں۔ مجھے ایک مددگار کی ضرورت ہے۔“

”اچھا تو پھر؟“

”تم کیا بڑے رہو گے؟“

”بہارے یہاں کے خاندانی لوگ کسی کی ملازمت نہیں کرتے۔ ان ناخوشگوار بچے میں بولا۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”میں نواب مرزا قلندر بیگ کا لوالہ اور نواب خلیل الملک کا

ہوتا ہوں۔“

”لیکن وہ ذریعہ معاش کہاں تک تمہارے نمایاں نشان ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے تم پولیس والوں کا سامنا کرنے

لگاتے ہو؟“

”وہ مجھے اس لیے سوٹ کر تلے ہے کہ سپاہی زادہ بھی ہوں۔“

”فصلوں باتیں چھوڑو، سبندگی سے غور کرو اس پر۔“

”زندگی پڑی ہے غور کرنے کو، اچھی اسی وقت کہ ضروری ہے۔ میں دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم اتنی

پریشان کیوں ہو۔ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ تم ادھر ادھر کی باتیں کر کے کسی خاص چیز کو اپنے ذہن سے نکال بیٹھنا چاہتی ہو۔“

وہ کچھ نہ بولی پھر غصہ سی مسکراہٹ ہونٹوں پر نمودار ہوئی اور اس نے کہا:

”ہاں! میں پریشان ہوں۔ کل مجھے ایک لاش شناخت کرنی پڑی تھی۔“

”لاش؟“

”ہاں! ان اٹھوں میں سے ایک آدمی نوٹل ڈیوڈ کی لاش“

”اوہ۔۔۔ تو میرا یہ خیال درست نکلا کہ لقمہ سات اس کے قابل تھے۔“

”میں اسے قتل نہیں کیا گیا! کیپٹن فیاض نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی موت سانپ کے کاٹنے سے واقع ہوئی تھی۔“

”لاش کہاں ملی تھی؟“

”کسی جنگل میں۔ مجھے نام یاد نہیں رہا۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“

”واقعہ ملازم نے آفس میں داخل ہو کر کسی کا لہجہ سن لیا۔“

”اوہ! وہ آہستہ سے بڑبڑاتی رہی۔“

”آگے دو۔“ عمران نے کہا۔

”روٹی مل ایک طویل القامت اور کھیلے جسم کا آدمی تھا۔“

”آنکھوں پر بھٹی ہوئی سمجھیں اس کی طبیعت کی سخت گیری کا پتہ دیتی تھیں۔ جب بڑے بھاری تھے۔“

”سناسپے پولیس نہیں لگتی تھی؟ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔“

”مجھے نہیں لگتی تھی بلکہ مجھ سے ایک لاش کو شناخت کرنے کی درخواست کی تھی۔“

”لاش۔۔۔ کیس کی لاش؟“

”بیٹھ جاؤ، ایسی بھی کیا فکرمندی۔“ مورلی نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے۔“ ایک آدمی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

میں اور پولیس آفیسر کو بتایا تھا کہ وہ نوٹیل ڈیوٹی ہے۔
 میں سمجھا تھا شاید اور کوئی بات ہے۔
 اور کیا بات ہو سکتی ہے شہر روپی کل؟
 مجھے اطلاع ملی جبکہ پولیس تمہاری طرف سے مطمئن ہے۔
 غالباً جی وہ سب کے پولیس کا ایک بڑا آفسیر اپنی شاہیں
 عموماً یہیں گزارتا ہے۔

”کون ہے؟“ روپی کل نے تحقیر آمیز لہجے میں پوچھا۔
 دفعہ عمران ٹھنکارا اور روپی کل چونک کر اس کی طرف
 دیکھنے لگا۔

مورلی اس کے سوال کے جواب میں کہہ رہی تھی کیسی فیاض
 پیرنڈنٹ آف سی۔ آئی۔ سی۔
 ”اوہ“ وہ پھر مورلی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

مورلی ایسے انداز میں مسکرا رہی تھی جیسے اس نے اس کو
 کسی معاملے میں شکست دے دی ہو۔
 دفعہ عمران نے مورلی سے کہنا شروع کیا ”تو سنو فریڈا“

آپ نے کوئی واضح جواب نہیں دیا فی الحال میرے پاس چھ بانگل
 نیٹ رقص اور کیا ہیں؟
 مورلی نے تحقیر آمیز انداز میں بلیک جھپکاش پھر فوراً ہی

سنبھل گئی۔
 ”مسٹر بیک مجھے افسوس ہے کلب کے سارے ہی غیر
 آرٹسٹک ٹیلنٹ نہیں رکھتے اس لیے مشرقی طرز کے قس ہمارے

یہاں کامیاب نہیں ہوتے۔“
 ”یہ تو زبردستی کی بات ہے۔“ روپی کل لول اٹھا۔ یہاں

الہ آباد میں جہاں جو صرف مشرقی رقص پسند کرتے ہیں۔
 اکثریت میں نہیں ہیں۔“ مورلی نے لاپرواہی سے کہا۔
 ”بالکل اب پوری طرح عمران کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

اس نے اس سے کہا۔
 ”آپ کی کوئی دلچسپ بات ہے؟“
 ”جی ہاں۔“

”ہاں، میں اس کے لیے کسی آپ کو کچھ کر سکتے ہیں؟“
 ”جی ہاں“ عمران نے بے اعتنائی سے کہا
 اور مورلی کی طرف اشارہ کیا۔

”میں اس مسئلے پر اس کا جواب نہیں دے سکتی۔“ روپی کل
 نے جھٹکا کر کہا۔
 ”معاف کیجئے گا عمران کا لہجہ شک تھا۔“ میں نہیں

جانتا آپ کون ہیں؟“
 روپی کل نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے
 کہا۔ ”تم اچھا بڑا لڑکے ہو گے۔“
 عمران نے کارڈ پر نظر ڈالی اور پھر عزم اخلاق دکھائی
 دینے لگا۔

”مجھے میرے آفس میں ضرور ملنا۔“ روپی کل اٹھتا ہوا
 بولا اور اس نے مورلی سے کہا۔ ”میں سمجھتا تھا شاید تم کسی دھڑاری
 میں پڑ گئی ہو۔ بہر حال کسی بھی مکھن منزل میں تم مجھ پر اعتماد کر
 سکتی ہو۔“

اس کے ہونٹوں پر ایک نہر ملی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی،
 اور وہ پرمعنی انداز میں سر ہلاتا ہوا باہر چلا گیا۔ یہ دونوں خاموش
 بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ دھڑاری دیر بعد مورلی نے
 کہا۔ ”میں نہیں سمجھتی کہ تم وہ تذکرہ کیوں چھیڑا تھا۔“
 ”پرنس۔“

”کیا مطلب؟“
 ”اس سے تعارف حاصل کرنے کا بہترین موقع تھا۔ اب
 میں دیکھوں گا کہ کتنے عرصے تک وہ کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔“

”یعنی تم لڑکیوں کا بیویا کر دو گے؟“
 ”ہی ایک گھٹیا کام شاید کبھی نہ کر سکوں۔“
 ”پھر؟“

”ختم کرو، تمہیں اس سے کیا سروکار؟“
 ”مجھے اس سے کیا سروکار؟“ مورلی نے غصیلی آواز میں
 ”اچھا اب میں چلا۔“

”آگے کیوں تھے؟“
 ”جس موقع پر عموماً آیا کرتا تھا وہ پوری ہو گئی۔“
 ”کیا مطلب؟ کیسی توقع؟“

”روپی کل سے ملاقات کی خواہش ہی ان دنوں
 یہاں لاتی رہی ہے۔“
 ”تم میری تو بہن کر رہے ہو۔“

”تمہاری تو بہن کیوں؟“
 ”کچھ نہیں ابس جاؤ۔“
 ”مطلب یہ کہ۔۔۔۔۔“

”نہیں، میرا موڈ خراب ہو گیا ہے بس اب جاؤ۔“
 ”مورلی نے ہاتھ ہٹا کر کہا۔
 *

”روپی کل“ گھر دوڑا آہستہ سے بڑبڑائی وہ روپی کل تھا۔
 ”میں نے تمہیں اس کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں
 دیکھا تھا۔“ صفدر نے بڑا سناٹا بنا کر کہا۔
 ”ہماری سوسائٹی میں اسے قابل اعتراض نہیں سمجھتے۔“
 گھر دوڑ لولی۔

”بہر حال تمہیں روپی کل ہی سے احکامات ملتے ہیں۔“
 ”نہیں۔ وہ میرے احکامات کا پابند ہے۔“
 ”پھر تمہیں کس سے احکامات ملتے ہیں؟“

”میں نہیں جانتی وہ کون ہے؟“
 ”کس طرح ملتے ہیں؟“ ذریعہ کیا ہے؟“
 ”تم بہت زیادہ دلچسپی لے رہے ہو۔“

”یہ سب کچھ بہت زیادہ سنسنی خیز ہے۔ بالکل ایسا ہی
 افسوس ہوتا ہے جیسے میں بھی اس کہانی کا کوئی کردار بن کر
 رہ گیا ہوں۔“

”اب مجھے سے کہا جا رہا ہے کہ تمہیں اور زیادہ کارآمد بنانے
 کی کوشش کروں۔“
 ”یعنی مجھے بھی اپنے گھر میں شامل کر لو؟“

”شمولیت اس قسم کی نہ ہوگی صفدر جیسے عام طور پر ہوتی
 ہے۔ یہی کچھ حرام پیشہ لوگ بعض مجموعوں کے تحت آپس میں
 ملاپتے ہیں اور مال غنیمت ان میں تقسیم ہوتا رہتا ہے۔

اس تنظیم کا تعلق کسی قسم کی لوٹ فیسر سے نہیں ہے۔“
 ”پھر کیا بلا ہے یہ؟“
 ”چند سال پہلے میں افریقہ کے ایک ملک میں تھی۔ وہاں

اس تنظیم نے حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا اور ایک مخصوص
 کے انقلاب کی بنیاد ڈالی تھی۔“
 ”اوہ۔“ صفدر سیدھا ہو کر بیٹھا ہوا ہے گھومنے لگا۔

”میں نہیں یہ سب کچھ اس لیے بتا رہی ہوں کہ تمہارے
 دل میں نہ چھین سکوں۔“ مختار ہوا۔
 ”میں بالکل نہیں سمجھا۔ تم کیا کہہ رہی ہو؟“

”ایسے حالات سے دوچار ہونے سے بچو جن کے تحت تمہیں
 میل کیا جاسکے۔“
 ”یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آتی۔“

”کیسے سمجھاؤں؟“ وہ کچھ سوچتی رہتی ہوئی۔
 ”توڑی جو بڑے کام خوشی رہی اور پھر وہ طویل سانس لے
 لگی۔“

”میں نہیں اپنی کہانی سنائوں گی شاید تم اندازہ کر سکو۔“ میں
 بہت چھوٹی عمر میں تھیم ہو گئی تھی۔ مال کھاتے بیٹے گھروں میں
 کام کر کے روزی کاتی تھی۔ میں نے ابتدائی تعلیم ایک پبلک
 اسکول میں حاصل کی۔ اس کے بعد خود ہی مزید تعلیم حاصل
 کرنے کے لیے ایک مشن اسکول میں داخلہ لیا۔ وہاں اچھے

لوگوں کا ساتھ نہ ہوا۔ بہر حال اٹھارہ سال کی عمر میں اس حال
 کو پہنچ گئی کہ ایک بینک کے ڈاکے میں ملحقہ رہا۔ ہم تین تھے۔
 دو لڑکے اور میں۔ لڑکے ٹامی گن اور ریوالتور سے مسلح تھے۔ بہت

کامیاب ڈاکا تھا۔ ہم ایک کار میں بیٹھ کر فرار ہو رہے تھے اور
 ہمارے پاس بینک نوٹوں سے لبریز دوٹیکٹے تھے۔ پولیس کی
 ایک گاڑی ہمارے تعاقب میں تھی۔ لڑکوں نے ٹامی گن سے فائرنگ

کر کے اسے بے کار کر دیا۔ اب ایک سنان ہائی وے تھا اور ہم
 ہمیں ایک ایسے آدمی کی پناہ میں پہنچنا تھا جو خود بھی کسی زمانے
 میں ایک مافیا ہوا تھا اور اب ریٹائرمنٹ کی زندگی بسر کر رہا

تھا۔ ہم وہاں پہنچے تو احساس ہوا کہ بہت بڑی دلدل میں پھنس
 گئے ہیں۔ وہاں آٹھ دس سو آدمی بیٹے سے موجود تھے۔ انھوں
 نے لوٹی ہوئی رقم ہم سے چھین لی اور ہم سے اس ڈاکے کے

متعلق اعتراف نامے لکھوائے۔ لوٹ کی رقم کے ساتھ ہماری
 تصویریں لیں اور ہمیں صرف سو سو ڈالروں کے گردہاں سے بھگا
 دیا۔ یہ سب کچھ انھوں نے ریوالتور کے زور پر کیا تھا۔ ہم

چپ چاپ پھر پھر واپس آ گئے اور صرف کچھ پیسے پھرے۔ پتا
 نہیں کیا جاتا تھا کہ پولیس سے بھی ملاقات نہ ہو سکی لیکن وہ پوچھا
 ڈیڑھ بجے ہمارے تعاقب میں تھا۔ جہاں بھی جاتے اس سے

ملاقات ضرور ہوتی۔ تینوں کے اعتراف نامے اسی کے قبضے میں
 تھے۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ اس بلا سے نجات پانے کی اور کوئی
 صورت نہیں کہ کم آگے نہ رہیں۔ جلد جس کے سینکڑے ساتھی

نکل بھاگے۔ بوڑھا بھی شاید یہی چاہتا تھا۔ وہ بدبخت برابر
 صرف میرے ہی پیچھے لگا رہا۔ ہمیشہ دھمکیاں دیتا رہتا تھا۔
 بلا آخر مجھے دو ٹول تک اس کی موبی بن کر رہنا پڑا پھر ایک

جماعت مجھے بلیک میل کر رہی تھی۔ اسی کے مشورے پر مجھے
 نرسنگ کا کورس کرنا پڑا۔ اسی کے مشورے پر کورس مکمل کرنے کے
 بعد ایک ہی مشن میں شمولیت کرنی پڑی۔ یہ طبعی مشن ہوئی دنیا

کے لیے ترتیب دیا گیا تھا اور سب سے پہلے افریقہ کے ایک ملک
 میں جانا پڑا۔ وہاں دو سال تک مجھے کام کرنا پڑا تھا اور پھر جب
 وہاں بڑے میاں پر کشت و خون کا بازار گرم ہوا تو میں اس یلتے

پر پہنچی کہ نادانستہ طور پر میں بھی وہاں کے انقلاب کا ایک ذریعہ بنی تھی اب یہاں بھی غالباً یہی پیکر ہے۔
وہ خاموش ہو گئی اور کچھ دیر بعد بولی: اب بھی کچھ نہیں ہے۔
سس... پھر دہرا ہوا۔ صفر نے جھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔

”مجھے حقیقتاً اسی کام پر مامور کیا گیا ہے کہ مقامی آدمیوں کو بھانسنے بھانسنے کر انہیں تنظیم کے لیے کام کرنے کے قابل بنادوں۔
افریقہ کے اس ملک میں بھی ایسے لوگ حاصل کرنے پڑے تھے۔
تو... یعنی... کہ... تہ... تم مجھے... بھانسنے پڑے۔
صفر کی ہکلاہٹ پر وہ بے تحاشا ہنس پڑی۔
”تہ... تم ہنستی ہو؟“

”بہت زیادہ اثر کیا ہے تم میری کہانی سے؟ کہیں بولکھلاہٹ میں پولیس کو مطلع کرنے نہ دوڑ جائے۔“
”پھر بتاؤ میں کیا کروں؟ تم مجھے بھانسنے پر مجبور ہو، اور... میں؟“

”تمہیں کیا مجبور ہے؟ یہ شہر ہی جھوڑو میں نے اس سلسلے میں جو بھی کمزوری دکھائی وہ وقتی تھی۔ اب میں نے اپنے اعصاب پر قابو پایا ہے۔ کتنے کی موت میرا مقدر ہے اور میں اس کی منتظر ہوں۔“
”یعنی... یعنی... تم اب بھی... ان کے لیے کام کرتی رہو گی؟“

”ہاں... میں مجبور ہوں۔“
”تم خود ہی پولیس کے پاس کیوں نہیں جلی جاتیں؟“
”میرا اتفاق ایک طبی مشن سے ہے اور مشن سے تعلق رکھتا ہے۔ اگرچہ اس تنظیم سے بھی تعلق نہیں رکھتا اس لیے وہ مجھے بالکل فرار دے کر بھر میرے ملک میں بھجوا دیں گے اور پھر وہاں اس تنظیم کے ہاتھوں ہو گا تم اس کا تصور

”اگرچہ اس تنظیم سے بھی تعلق نہیں رکھتا اس لیے وہ مجھے بالکل فرار دے کر بھر میرے ملک میں بھجوا دیں گے اور پھر وہاں اس تنظیم کے ہاتھوں ہو گا تم اس کا تصور

”اگرچہ اس تنظیم سے بھی تعلق نہیں رکھتا اس لیے وہ مجھے بالکل فرار دے کر بھر میرے ملک میں بھجوا دیں گے اور پھر وہاں اس تنظیم کے ہاتھوں ہو گا تم اس کا تصور

”ایک تدبیر سمجھو میں آئی ہے۔“
”کیا؟“

”تم اس آدمی کا پتہ لگاؤ جس نے تمہیں احکامات ملتے ہیں۔ اسے ختم کر دیں گے۔“
”الحق؟ وہ ہنس پڑی۔ اول تو بتا گانا ہی دشوار ہے، پھر یہ کیا ضروری ہے وہی اس تنظیم کا حقیقی سربراہ ہو؟“

”اچھا تو یہی بتاؤ کہ وہ بینا مات تم تک کیسے پہنچا ہے۔ شاید پیغام رسائی کا ذریعہ ہی اس تک پہنچنے کا سبب بن سکے؟“
”فصل زلچھا و داغ کو۔ یہ بالکل نا ممکن بات ہے۔“
”تم نہیں بتانا چاہتیں۔“ صفر نے برا سائے بنا کر کہا۔
”جی۔۔۔ وہ ہنس کر بولی۔ ساری ادائیں لڑکیوں کی سی

ہیں۔ مجھے اس کے بیانات میں کچھ نہیں ہوتے ہیں۔“
”تجربہ مجھے حیرت ہے کہ ہمارے یہاں کا کچھ سربراہ رسائی کیا کر رہا ہے؟ اس کے پاس یقیناً ایسے ذرائع موجود ہوں جن سے ٹرانسمیٹر کی آواز سننے سے جا سکتا ہے۔“

”ہونہ۔۔۔ کیا تم اور عہداتی پولیس دنیا کے کوئی ملک میں بھی ہمارے خصوصی ترین ساخت کے ٹرانسمیٹر کی آواز سن کر کوئی دوسرا ٹرانسمیٹر نہیں بھیج کر سکتا؟“
”جی ہاں۔۔۔ وہ رناب تک ہمارا کچھ سربراہ رسائی تم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا لیکن یہ تو بتاؤ کیا تم ہر وقت اس ٹرانسمیٹر کا سوچ آں رکھتی ہو؟“

”اس کی ضرورت ہی نہیں۔ پیغام موصول ہونے پہلے فون کال آتی ہے۔ میرے نام کی کال ہے تو میں ایک قسم کا اشارہ پاؤں گی۔ ویسے تو فون پر ہونے والی گفتگو دریافت حال ہی تک محدود ہوئی اور تمہارے ٹیل فون میں سے جانے کے باوجود بھی کسی قسم کے شبہ میں ڈال

گی لیکن میں اس کے بعد ہی فوراً اپنے ٹرانسمیٹر کا کوئی پیغام موصول کر لوں گی۔ فرض کرو میں اس ہسپتال کے وارڈ میں کام کر رہی ہوں۔ میری کال آئی اور مجھے بلوا

نے کال کر لی۔ وہ میری آواز سننے ہی کے ساتھ ہی کہنے لگی کہ میں تم کو ملے گا۔ میں اپنی خیریت بتاؤں گا۔ شام کو ملے گا۔ وہ کہنے لگا کہ سلسلہ منقطع کر دے گا۔ لفظ ”گوڈی“ ہی سے مجھے معلوم ہو گا کہ وہ کون سا

صفر اس کے خاموش ہو جانے پر کچھ نہ بولا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔
”لیکن ایک بات ہے۔“ صفر نے کچھ دیر بعد کہا۔ اگر وہ کسی طرح روپیہ مل لو لیس کی گرفت میں آجائے اور خود ہی اگلے دن کے وہ تمہارے لیے کام کرنا رہے تو پھر کیا ہو گا؟“

”اس صورت میں یقیناً دھری جاؤں گی لیکن یہ بات مجھے تک ہی ختم ہو جائے گی۔ پولیس اس تک نہیں پہنچ سکتی جو مجھ سے کام لے رہا ہے۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔“ صفر نے مایوسانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔
”لیکن روپیہ مل جیسا درندہ بھی آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ اسے روپیہ پیسے کی ہوس نہیں ہے۔ بہت بڑا سرمایہ دار ہے۔ وہ تو میرے لیے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ سفید نام لڑکیاں اس کی کمزوری ہیں۔“

”تو تم... یعنی کون... بھی۔“ صفر کے لیے میں بے حد افسوس تھا۔ وہ جملہ یوارڈ کر سکا۔
”ہاں... میں بھی...“ کمزور ڈسٹرلا کر بولی میرے اور

ہمارے معاشرے میں خونی کارروایاں کی گئی ہیں۔ اگرچہ اس میں تم لوگ کسی ایسی عورت کو برداشت نہیں کر سکتے جس کے تعلقات کسی دوسرے مرد سے صرف دوستی کی حد تک ہوں نہ ہوں۔“
”بالکل... بالکل!“

”خیر ختم کرو ان باتوں کو۔ میں تو تمہیں صرف یہ سمجھانا چاہتی تھی کہ باتو کچھ دنوں کے لیے اس شہر ہی سے چلے جاؤ یا بہت دیر نہ رہو۔“

”ہاں۔۔۔“

طران اور بلیک زیرو دانش منزل کے آپریشن روم میں بیٹھے تھے۔ سرور کے عہدوں میں سے کسی کی رپورٹ کا انتظار کرتے تھے۔ ٹرانسمیٹر کا سوچ آں کر دکھاتا تھا۔
”کچھ دیر کے بعد آواز آئی۔“ سیلو... ایکسو... ایکسو...۔۔۔
”اسپیکٹنگ۔“
”ایس۔۔۔ ایٹ اریکٹو۔“ عمران نے ماؤنٹ پیس میں کہا۔
”سیلو۔“

”وہ اسے لار ہی ہے۔“ مجھے یقین ہے کہ کوئی ان کا قاتل کر رہا۔۔۔ اور۔۔۔

”ٹھیک ہے... اور اینڈ آل۔“ عمران نے کہا اور ٹرانسمیٹر کا سوچ آں کر دیا۔

”کون کسے لار ہی ہے؟“ بلیک زیرو نے میٹر انجین پوچھا۔
”جولیا نا فٹر وائر۔ روپیہ مل کو یہاں لار ہی ہے۔ میں نے نہیں روپیہ مل سے ملاقات کے بارے میں بتایا تھا۔“

”جی ہاں! آپ نے تذکرہ کیا تھا اور آپ کی حیثیت مرزا نیم بیگ کی تھی۔“
”جولیا اس سے میری سکرٹری کی حیثیت سے مل ہو گی۔ صفر کی رپورٹ تو تم سن ہی چکے ہو گے۔ اس کے بارے میں کہ سفید نام لڑکیاں اس کی کمزوری ہیں لہذا جولیا نے اس سے بزنس کی باتیں کی ہوں گی اور اب اسے مال دکھانے یہاں لا رہی ہے۔“

”یہاں۔“ بلیک زیرو کے لیے میں حیرت تھی۔
”ظاہر ہے کہ اب وہ یہاں سے زندہ تو واپس جا نہیں سکتا اس لیے کچھ دیکھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔“

”میں نے آپ کو اس طرح کبھی کشت و خون پر لادو نہیں دیکھا۔“ ملک کا مفاد اسی میں ہے۔“
”بلیک زیرو کچھ نہ بولا۔ ان دنوں اسے عمران کے پیارے برحقاقت کے ”جلوس“ میں دیکھائی دے رہے تھے اور وہ بہت زیادہ محتاط نظر آتا تھا۔ طریق کار میں آٹھ پانچ بھی محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ ہر قدم نپاتلا اٹھتا۔“

”وہ اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر کھسک جائے گی۔ میں نے خاص طور پر ہدایت دی تھی کہ وہ روپیہ مل سے میک اپ ہی میں ملے۔“

”لیکن روپیہ مل کی اہمیت کیا رہ جاتی ہے جب کہ وہ گروڈو کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتا؟“

”اس سلسلہ کے سارے ممبرے پہننے کے بعد ہی دیکھوں گا کہ اب بادشاہ کس قلعے میں پناہ لیتا ہے۔“
”بلیک زیرو خاموش ہو گیا۔“
”کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔ کیا آپ اس سے نیم بیگ ہی کے میک اپ میں ملیں گے؟“

”یہاں اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔“ عمران بولا۔ اسے بھی میری تلاش تھی، اس کے پاس بھی میری تصویر تھی۔ اس نے اپنے من ملازمین کو بھی میری تلاش پر مامور کیا تھا۔ یہ بھی ضروری نہیں گروڈو نے اس کے بارے میں سب کچھ صفر کو بتا دیا ہو!

دروازے اور فرش کے درمیانی خلا میں ڈال کر اندر رکھا دیا پھر ،
سیدھی ہو کر دوبارہ گرد پیش نظر دوڑائی اور اپنے گھر سے میں واپس
آگئی۔

۵۵

پانچ بجے شام کو انھیں ملنا تھا۔
گھر ورنے کے بعد پوچھنے لگی تھی۔ صفر رو بہ چہرہ کراں کا منتظر
رہا۔ وہ ٹھیک وقت پہنچتی تھی۔ آج اس نے میک اپ پر شاید
کافی وقت صرف کیا تھا۔ بڑی دکھش لگ رہی تھی۔ بڑی دیو تک
وہ شہر کی مختلف سڑکوں پر چکر لڑے پھر سے پھر ساٹھ چھ بجے
گھر ورنے ریا لٹو کے سامنے گاڑی روک دی۔

”م کیوں لوہر کر رہی ہو مجھے؟“ صفر بڑبڑایا۔
”ابھی ساری کوئی وقت دور رہ جائے گی۔ ایک بڑی خوب صورت
لڑکی دکھاؤں گی؟“

”کیا اب میں کسی دوسری مصیبت میں پھنسوں گا؟“
”اؤ۔۔۔ اترو۔۔۔ اندر چلو۔“
صفر بڑا سانس مٹا کر گاڑی سے اتر ا اور وہ دونوں پلٹو
کی عمارت میں داخل ہو گئے۔

۵۶

ٹھیک سات بجے رات میں صفر نے ریا لٹو میں داخل ہوئی۔
ٹرانک ہال میں کہیں کہیں خالی میزیں بھی نظر آ رہی تھیں اُسے
نی انکا صدیقی کہیں نہ دکھائی دیا۔ وہ نزدیکی ہو گئی۔ اس
رائس سے تو آئی نہیں تھی کہ صدیقی کی عدم موجودگی میں تنہا
اور ٹھیک اس قسم کی نشستوں سے اُسے کبھی دلچسپی نہیں رہی تھی
وہ اب بھی تھی کہ اب کیا کرے دفعہ تیس بائیں جانب سے
مدد کی آواز آئی۔

”ہال میں آؤ، ہال میں بیٹھیں گے۔ میز پر سٹے
لاؤں گے۔ اس کے ساتھ آؤ۔“ ریا لٹو کے پیچھے چلنے لگی۔
اس کی ہال میں آؤ، ہال میں بیٹھیں گے۔ میز پر سٹے
لاؤں گے۔ اس کے ساتھ آؤ۔“ ریا لٹو کے پیچھے چلنے لگی۔

وہ اپنے گھر کی طرف لوٹ گئی تھی۔ ابھی وہ چلی ہوئی
رہی تھی کہ صدیقی کی آواز آئی کہ وہ آج اس کے پاس آئے ہیں۔
کے پاس آؤ، ہال میں بیٹھیں گے۔ میز پر سٹے
لاؤں گے۔ اس کے ساتھ آؤ۔“ ریا لٹو کے پیچھے چلنے لگی۔

تیل بجتی موجودہ دور میں ٹیلی فون، وائرلیس،
ریڈیو، مائیکرو ویو سسٹم اور ٹیلی ویژن وغیرہ کی معجزہ نمایاں
المنشہر ہیں، ابھی بہت کم لوگ اس بات سے واقف
ہیں کہ حیات الہیاتی بھی ایک خود کار برقی نظام سے
متحرک ہے اور انسان ذہن اور روح کی ان دلچسپی برقی
قوت سے عمل پیرا ہے۔ ٹیلی بجتی بھی کوئی مادہ کا معلوم
نہیں بلکہ ایک نظام ہے۔ ایک سسٹم ہے جس کے ذریعہ
ایک انسان اپنے ذہن کو مطلوبہ انسان کے ذہن سے
میلوں کی دوری پر بھی جوڑ سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح
جیسے ایک طاقت اور ٹرانس میٹر کے ذریعہ رابطہ قائم
کیا جاسکتا ہے۔

یہ فن مسلسل شوق اور صحیح طریقہ پر عمل کر کے کوئی
بھی حاصل کر سکتا ہے۔ ٹیلی بجتی کے فن اور مشق کے
ذریعہ بہت سے لوگوں نے کشف و کرامات دکھانے
کی حد تک شہرت پائی ہے۔ دیوتا ناول ایک ایسے ہی
انسان کی آپ بیتی ہے۔ میری رائے میں ہر شخص اپنی
روح کی برقی طاقت اور ذہن کے کٹر وں سسٹم پر قابو
پا کر ٹیلی بجتی کا ماہر بن سکتا ہے۔ میری نظریں کتابت الہی
پہاڑی بھوجیلہ دہلی سے شائع شدہ کتاب ”تیلی بجتی کا نڈ
ایک مکمل ہدایت نامہ ہے۔“

معنی الدین خواجہ



”نہیں مسٹر صدیقی، میں اس وقت بچتی رہ نہیں ہوں۔
تمہاری یہ ملاقات کا وہابی ہے۔ میں اس کاغذ کو فائل سے
مٹس کر کے واپس جاؤں گی۔“
صدیقی ہنسنے لگا اور وہ حیرت سے اُسے دیکھتی رہی کیونکہ
پہننے کا انداز مضمحل تھا۔
”محض تمہاری وجہ سے ان سماعتوں میں پڑا ہوں صدیقی
نے ہنسی روکے ہوئے کہا۔
”میں نہیں سمجھی؟“

”یہی سب کو فائل سے کاغذ مٹس کیا جائے اور پروفیسر
اس پر کوئی عمل کرے۔ کیا آج کی دنیا میں یہ سب کچھ ممکنہ خیز
نہیں معلوم ہوتا؟“

”تو تم کو فائل نہیں لائے؟“
”لایا ہوں۔ یہی تو کہنا ہے کہ تمہاری وجہ سے یہ خطرہ
بھی مول لینا پڑا ہے۔ انتہائی کو فیصلہ فائل ہے۔ آفس کی دُور
سے باہر تیس لائی جاسکتی لیکن تمہاری وجہ سے۔ کوئی بہانہ تو ملے
آئے ملاقات کا۔ رافیق تمہیں نہیں کہیں کہ تم میرے لیے کیا ہو گئی
پھر مجھے پچھن ہی سے ایسا محسوس ہوتا رہا ہے جیسے مجھے کسی کا
انتظار ہو۔ تم سے ملنے سے قبل بھی یہ احساس برقرار رہا ہے۔
ذرا سوچو تو میں نے صرف تک اس احساس کی پرورش کی ہے پھر
اچانک تم سامنے آئی ہو اور وہ ذہنی کیفیت رخنہ ہو جاتی ہے۔“
”مسٹر صدیقی! مجھے آفس ہے کہ آپ کی باتیں میری سمجھ
میں نہیں آتیں۔ اب فائل لے لیں اس سے کاغذ مٹس کر دوں اور
اُسے پروفیسر تک پہنچا دوں؟“

”تو یہ خطرہ میں نے خواہ مخواہ مول لیا۔ صدیقی نے کھسائی
ہنسی کے ساتھ کہا۔ لیکن کروا کر کسی کو معلوم ہو جائے تو مجھے نہ صرف اپنی
ملازمت سے ہاتھ دھوئے پڑیں گے بلکہ شاید جیل میں چلا جاؤں۔“
”تب تو مجھے کچھ اور ہی سوچنا چاہیے۔“
”کیا سوچنا چاہیے؟“

”جہاں جیروں پر نہیں یقین نہیں ہے تو تم نے اس
کاغذ پر مول ہی نہ لیا ہوگا۔ یعنی کوئی غیر اجماع فائل لائے ہو گے۔
ملاہرے کہ اصل مقصد تو مجھ سے ملنا ہی تھا۔“
”یہی تو نہیں کہ سکا۔ رافیق خدا کی قسم میں نہیں دھوکا نہیں
دے سکتا۔“
”مجھے اس سے کیا سروکار، یہ دھوکا تو پروفیسر کے ساتھ ہوتا۔“

”تمہارے تو سٹے میں کسی کو بھی دھوکا نہیں دے
سکتا۔ میں ایسی ہی ذہنی کیفیت سے دوچار ہوں۔ بھڑا میں
دور ا فائل لاسکتا تھا لیکن میں لاسکا۔ مجھے خود بھی حیرت ہے
کہ میں نے اتنا بڑا خطرہ کیسے مول لے لیا۔“
”غیر۔۔۔ غیر۔۔۔ اب اُسے نکالو۔ میں اپنا کام کر دوں۔ اس
کے بعد میں یہاں نہیں بٹھوں گی تم پھر کبھی مجھ سے مل سکتے ہو؟“
”دعہ کرتی ہو؟“
”ہاں! میں ملوں گی لیکن اس وقت اصول کے خلاف کچھ
نہیں کر سکتی۔“
”لیکن میں نے تو دو آدمیوں کے کھلنے کے لیے کہہ
رکھا ہے۔“

”میری خاطر سے مجھے اس وقت جانے دو۔ پروفیسر نے
خاص طور پر ہدایت کی ہے کہ کام کر کے فوراً میرے پانچ بجے جانا۔“
”اچھی بات ہے۔ صدیقی نے طویل سانس لی۔

”یہ کیا پکڑ ہے؟“ صفر نے گڑبڑ سے کہا۔ اس نے
سبز رنگ کا ایک فائل سینڈ بیگ سے نکالا تھا۔ لڑکی اپنے پرس
سے ایک کاغذ نکال کر گڑبڑ رہی اور پھر کاغذ کو اپنے پرس میں
دوبارہ رکھ لیا۔ اور نو۔۔۔ اب شاید وہ جا رہی ہے۔
گھر ورنے کے بعد لڑکی نے حقیقت کو یہ سمجھ کر کہیں نے اس
لڑکی کو آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ واقعی بہت خوب صورت
ہے۔ مجھے سے بھی زیادہ۔۔۔ کیسی خوبصورت آج بھی ہیں۔۔۔ چلو۔
وہ تو گئی۔۔۔

”مجھے بے وقوف بنا رہی ہو۔ پتا نہیں تم کیا کرنا چاہتی ہو؟“
”کیا لڑکی پسند نہیں آتی؟“
”کیوں اس مت کرو۔“

فیلڈ میں اب صرف تین آدمی تھے۔ ایک میز پر سر دووں
اور تیس میز سے لڑکی ابھی تھی اس پر ایک مرد جو سبز رنگ کا فائل
برہنہ کیس میں رکھ رہا تھا۔ برہنہ کیس کے لئے کسی کراٹس نے
اُسے میز کے ایک گوشے میں سرکا دیا اور بائیں میں متا کو بھرنے
لگا۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسے ہی آثار تھے جیسے بڑی تھکن
محسوس کر رہا ہو۔ کچھ دیر بعد صفر نے کہا۔
”ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟“

”ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ جب تک یہ یہاں بیٹھا ہے
میں ہی بیٹھتا پڑے گا۔“

434

خاص اینجیٹ کے پاس جانے والا تھا۔ کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟
یروفسر کچھ نہ بولا۔

عمران کہتا رہا: "تیس یہاں محکمہ خارجہ سے کچھ کام گذارت
حاصل کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک خارجی یہی میں پائے جانے والے
کسی عمار کی اسکیم کے تحت تھی۔ اس کے صدیقی اسکی صنعتی الاغی
کی بنا پر تم سے آگیا۔ محکمہ خارجہ کا وہ شعبہ جس کا وہ کرنا دھرتا
ہے۔ میں قائل ہوں۔ نہیں کچھ دلوں تمہارے دارالحکومت والے
ایجنٹ نے اسی ایمل کوڈ میں اطلاع دی کہ جن کا گذارت کی تمہیں
ملا شل ہے وہ اچانک لٹی۔ اس کے صدیقی کے پاس ہیں اور وہ
ان پر کام کر رہے ہیں۔"

"میں یہ سب کچھ معلوم کیسے ہوا؟" یروفسر نے پوچھا۔
اس کا جواب بھی بے حد سیکون تھا۔
"میرے اپنے ذرا تھے۔"

"میں سمجھ گیا۔ تم رافیلہ عمارت سے ملے رہے ہو۔ اس نے
تمہیں جو کچھ بتا دیا ہو گا اس سے تم نے سنا ہے۔ طور پر یہ نتائج اخذ
کے ہوں گے۔ واقعی بہت دہیں ہو۔ جیسا تھا نہیں دلیا
ہی پایا۔ لہذا... یہ دراصل عالم تھا۔"

رافیلہ نے دیکھا کہ اس نے بڑی پھرتی سے رولورنگ لیا ہے۔
رولورنگ کا رخ عمران کی طرف تھا لیکن رافیلہ نے اس کے
پیر سے پر نہ تو خوف کے آثار دیکھے اور نہ حیرت کے۔ بالکل ایسا
ہی لگا رہا تھا جیسے رولورنگ پر اس کی نظر نہ پڑی ہو۔
اس نے جیس کر کہا۔

"فکر اس انعام کی میرے دل میں بڑی وقعت ہے،
اس لیے اس سے کہیں ابھی اسے قبول نہ کر سکوں گا۔"
یہ کہہ کر رافیلہ نے آواز سی اور اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ اب
وہ عمارت والے دوارے سے لگی ہوئی بری طرح کانپ رہی
تھی۔ اس نے اس کی شکل سنا تھا۔ اچانک پھر فائر مو اور پھر
لوہے کی گولہ گدے۔ وہ وہ پانچ فائروں کے لیے پھر کھڑی
تھی۔

یہ کہہ کر رافیلہ نے آواز سی اور اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ اب
وہ عمارت والے دوارے سے لگی ہوئی بری طرح کانپ رہی
تھی۔ اس نے اس کی شکل سنا تھا۔ اچانک پھر فائر مو اور پھر
لوہے کی گولہ گدے۔ وہ وہ پانچ فائروں کے لیے پھر کھڑی
تھی۔

"اب اس کی بات نہ کرو۔ وہ بارہ لوڈ
کر سکتا اس نے یہ نہیں سنا۔"

یروفسر نے جھلک میں رولورنگ اس پر کھینچ مار لیکن
وہ دوارے سے نکل کر فرش پر گر کر عمران تو اتنی پھرتی سے
بہرہ کر دو بار اٹھ کھڑا ہوا تھا کہ رولورنگ کے فرش پر گرنے اور اس
کے اٹھ کھڑے ہونے میں تقدیر کا تیر نہیں ہوئی تھی پھر رافیلہ
نے اسے یروفسر پر چھلانگ لگائے دیکھا۔ دونوں ہی فرش پر
آ رہے لیکن یروفسر نے اسے دوسری طرف اچھال پھینکا عمران
پھر چھٹا۔ رافیلہ کو اس کی بری پھرتی اور رولورنگ کی جھانکی
وقت میں عمران سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے باوجود بھی عمران
گو یا اس سے بھڑکی طرح چٹ گیا تھا۔

ذرا ہی دیر میں اس نے یہ بھی محسوس کیا جیسے یروفسر
کسی نہ کسی طرح اس سے پیچھے ہٹ کر نکل بھاگتا ہے۔ یہی
ہوا اچھی۔ ایک بار تو عمران کی گرفت سے پیچھے ہٹنے کے بعد
وہ بائیں جانب والے دوارے میں بڑی پھرتی سے داخل ہو
کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اگر وہی گھر آتا جہاں داخل ہونے کے بعد وہ عموماً
دو بارہ نہیں ملا کرتا تھا اور رافیلہ اسے ساری عمارت میں
ڈھونڈتی رہی رہ جاتی تھی۔ عمران بھی اس کے پیچھے چھٹتا تھا۔



عجیب و غریب بچہ

دنیا کا سب سے زیادہ لائق پورا ۱۱ ماہ میں دنیا میں پیدا ہوا
تھا۔ تاہم شہر کے کئی بچے گھنٹوں کا تھا کہ اس نے اپنی
مادر زبان میں الفاظ گنگنے شروع کر دیے۔ جب دو سال کے
عمر کے چنانچہ اس کے دل میں ابھی دست پید ہوئی تھی بہت کم
بلندیوں کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ تیسری کی عمر میں وہ دنیا کا سب سے
زبانیں بول سکتا تھا۔ ۱۹۴۰ء میں دھارم کے بادشاہ نے اسے
اپنے پاس کون پینگ بلایا کہ جو بچے متعلقہ زبان میں سیکھ سکیں ان کی
تصدیق کر سکے۔ وہ بچے نے بے خوفی سے کیا۔

بچہ ایک منٹ گزر جانے کے بعد پھر کسی قسم کی آواز سنائی
نہی تو رافیلہ نے دوازہ ہیٹ ہیٹ کر جتنا شروع کر دیا۔ دروازہ
کھولا، یہاں کوں ہے؟ دروازہ کھولا۔

دوازہ کھلنے میں دیر نہ لگی۔ عمران ہی تھے دروازہ کھولا تھا۔
"وہ کہاں ہے؟" رافیلہ نے پوچھتے ہوئے پوچھا۔
"پتا نہیں" عمران نے بے پروائی سے شانوں پھینکی۔
"اسی کمرے میں داخل ہونے کے بعد غائب ہو گیا کرتا
ہے" رافیلہ نے اپنی چڑھتی ہوئی سانسوں پر قابو پانے کی
کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"چلو... میں تمہیں دکھاؤں کہ وہ کہاں گیا؟" عمران پیچھے
ہٹتا ہوا بولا۔

وہ اسے اپنے ساتھ دوسرے کمرے میں لایا۔
"یہاں کوئی تبدیلی دیکھ رہی ہو؟" عمران نے اس سے پوچھا۔
رافیلہ نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔

"اوہ... وہ... دروازہ... اسے وہ اس کے بعد تو کافی
فاصلے پر چلا رہا ہے... الماری... وہ تو الماری تھی۔"

"الماری نہیں لفٹ تھی۔ اس وقت وہ جلدی میں دروازہ
نہیں کھڑکھڑاتا تھا۔ اس وقت بھی اسے الماری ہی لگتی تھی۔ لفٹ اوپر
گئی اور اب یہ بچہ ہے اور بیک صوف ایک خلائی رہ گیا ہے۔"
رافیلہ کے چہرے پر عمران کے سوال کر پیچھے اوپر
دیکھا اور عمران کے قول کی تصدیق ہو گئی۔

پھر وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے عمران سے پوچھا: اب
کیا ہو گا؟

"بہی کا پٹر کے ذریعے چھت پر اتروں گا۔ وہ اچھا تھانہ
الٹا میں بولا۔

"تم نے مجھے بتا کیوں نہیں دیا تھا کہ تم عمران ہو؟"
عمران نے اس سوال کا جواب دینے کی بجائے اس سے کہا:
"وہ بریلین کیس اسی کمرے میں پڑا رہ گیا۔ اسے اٹھا لاؤ۔"
رافیلہ نے عمران کے وہ کھڑکھڑاتے والے الفاظ پر تشریح
ظروں سے دیکھتا رہا۔ دفعہ اسے محسوس ہوا جیسے اسی خلا
کے گرم ہوا کا ایک جھونکا آیا ہو۔

"یہ لو" اس نے رافیلہ کی آواز سن کر اور وہ اس کی طرف
ہٹ گیا۔

اس سے بریلین کیس لے ہی رہا تھا کہ وہ چیخ پڑی اسے
"کیا؟"

"اوہ!"

لفٹ والے خلا سے گھر سے سرخ رنگ کا کثیف بادل
سارے بادل کو کمرے کی فضا پر بکھیر کر بادل چھ دفعہ ایسا محسوس
ہوا جیسے جہنم کا دروازہ کھل گیا ہو۔

وہ آتشی بادل تیزی سے اپنا چم بڑھا رہا تھا۔
"بھاگو" عمران نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف
ہٹتے ہوئے کہا۔ چلو کھلو... میں نکل چلو... باہر!"

وہ بیرونی برآمدے میں آ پہنچے۔
"یہاں سے بھی چلو" عمران نے اسے پائیں باغ کی
طرف دھکیلتے ہوئے کہا اور وہ روش پر کھڑی ہوئی سیاہ رنگ
کی گاڑی تک آ پہنچے۔ ذرا ہی دیر بعد انھوں نے اس گاڑی
کی اوٹ سے دیکھا کہ سرخ رنگ کا دھواں صدر دروازے
سے گزر کر برآمدے تک آ پہنچا ہے لیکن اب وہ اتنا کثیف نہیں
تھا۔ البتہ بیرونی فضا میں اس سے منتشر ہونے پر کچھ دیر بعد
رافیلہ اپنی ناک کے نچھوڑوں اور آنکھوں میں ہلکی سی جلن محسوس
کرنے لگی تھی۔

اوپری منزل کی ساری کھڑکیوں کے شیشے روشن نظر آ رہے
تھے۔ وہ دیکھو اوپر! رافیلہ اس کا شہ نہ دیا کہ بولی۔

ایک کھڑکی پر اسے بہت کھل رہی تھی۔
"پتا نہیں اوپر کتنی بلایں اور ہوں؟" عمران آہستہ
سے بڑبڑایا۔ اس لیے؟

رافیلہ نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ کوٹ کے اندر گیا ہے پھر برآمدے
ہوا تو اس میں لمبی نال والا اعشاریہ چار پانچ کا رولورنگ نظر آیا۔
"اگ... کیا...؟" رافیلہ کی کپکپاتی ہوئی سی آواز اس سے
آگے نہ بڑھ سکی۔

کھڑکی پر یہی طرح کھل رہی تھی اور یروفسر آدھے دھڑکے
باہر جھٹک آیا تھا۔ غالباً وہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ پٹر
کیا ہے۔ عمران کا رولورنگ والا ہاتھ سیاہ گاڑی کی کھڑکی میں داخل
ہو چکا تھا۔

"ج" سائیلنس گے ہوئے رولورنگ سے لگی سی آواز نکلی،
اور یروفسر اچھل کر اوڑکے جھکا آیا۔ اس کے دونوں ہاتھ خلا
میں بھول رہے تھے پھر وہ دم سے نیچے آگرا۔ ساتھ ہی عمران
کا ایک ہاتھ سختی سے رافیلہ کے ہونٹوں پر جم گیا۔ ورنہ وہ تو اپنی
بیچ کی طرح بھی نہ دھک سکتی۔

سارا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے

ارے تم تو جانتے ہی ہو گے۔ موری فراہم ہے۔ اسے مرزا نسیم بیک کا انتظار ہے۔ ایک دن میں اس سے یہاں ملا تھا۔ آج وہ اسی خیال کے تحت یہاں آئی ہے کہ شاید آج پھر ملاقات ہو جائے لیکن مرزا نسیم بیک، اب اسے کبھی نہ مل سکے گا۔
”میں آپ کی طبیعت کو پہنچ سکتا۔“

”اچھا تو پھر کیا کرو گے؟“

”کچھ بھی نہیں، کروں گا کیا؟“

”تو پھر یہ کسی نوع وں بیوہ کی سی شکل کیوں بنائے بیٹے ہو؟“

”خواہ مخاہ“، صفر بے دلی سے نہ دیا۔

”کم از کم ہنسے ہی میں فراخ دلی کا ثبوت دیا کرو۔“

”خیر... خیر... اب یہ بتائیے کہ اس اینٹ کے بابے میں کھینچ کر لے گا جو دار الحکومت میں کہیں ہے۔“

”کر چکا جو کچھ کرنا تھا۔“

”کیا؟ مجھے علم نہیں۔“

”ایک رات اتنی زیادہ بی ڈالی کر مارٹ فیلور ہو گیا۔“

”کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس قلعے کا سد باب ہو گیا؟“

”ہرگز نہیں۔“ لیکن اب ہر وقت ہو کر شاید رہنا پڑے گا۔

”تم جانتے ہی ہو کہ وہ ملک جس کے یہ جاسوس تھے کسی دوسرے ملک کو کسی قسم کی امداد دینے کے بعد اسے ہرگز پسند نہیں کرتا کہ وہ اس کو مخالف ملکوں سے بھی کسی قسم کا تعلق رکھتے۔ اپنا یہ موقع بھل کر بیان نہیں کر سکتا۔ پس ایسے ہی جھگڑوں سے اس قسم کے انقلاب برپا کر دیتا ہے جو اس کی موافقت میں ہوں۔“

صفر تقریبی انداز میں سر ہلاتا رہا پھر بولا: ”بہر حال ہمارا ہمت آسان ہوا مگر مزہ ہوتا تو...“

”وہاں پر شک... دریں پر شک۔“ عمران سر ہلاتا رہا۔

”کیا آپ کو اس سے اختلاف ہے؟“

”ہرگز نہیں۔ تمہارا چیت واقعی بہت وہ ہے...“

”نہیں، میں کہہ رہی ہوں لیکن آپ کو اس کی بڑائی تسلیم کرنی ہی پڑے گی۔“

”میں... میں...“

”مقابلہ نہیں کر سکتا۔“

”آپ یہی کہہ رہی ہیں کہ میں تسلیم کر لیتا ہوں۔“

”تو کیا میں سر ہلاتا رہا کروں؟“

”نہیں، عمران نے

حیرت سے کہا: ”اس سے زیادہ سنجیدگی کی صورت اور کیا ہو سکتی ہے؟“
”کیا اس کام کا معاوضہ ابھی نہیں ملا؟“ صفر نے ہنس کر پوچھا۔

”جی ہاں! ہر سال معاوضوں کا سود مل جایا کرتا ہے۔“

”عمران نے بے حد خشک لہجے میں کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔“

”کیا بات ہے آپ کچھ خفا سے لگ رہے ہیں؟“

”اے کوئی حد ہے بھوئی تسلیوں کی۔ آج تنگ پیورا

معاوضہ نہ ملا۔“

”تو آپ کو پروا کب ہوگی؟ خرچ ہی کتنے ہے آپ کا ہر گز ٹھیک تو آپ پتے نہیں۔“

”پس کس اب خاموش رہو ورنہ مود خراب ہو جائے گا۔“

”میرا اکیلا جوڑ ہے ہی کچھ بوتلیں یومیہ صاف کر دیتا ہے۔ کس کے دفتر ہے خرچ اس کا! وہ بوتلیں زمین سے نہیں آگئیں۔ سلیمان

روزانہ فلم دیکھتا ہے کس کی جیب تر اشتا ہے؟“

”کیوں یہ روگ پال رکھے ہیں؟“

”عمران کچھ نہ بولا۔ پھر سامنے بننے دوسری طرف دیکھتا رہا۔“

”مستے میں سی ہوئے کے باہر ساحلی بار برداری کا ایک گنہگار دیکھتا رہا۔“

”لگا۔ دیکھتا ہی رہا۔ عین دیوار کے نیچے ہی کھڑا تھا جہاں یہ دونوں بیٹھے تھے۔ اس جگہ سے دکھائی بھی دے رہا تھا۔“

”دفعۃً عمران اُسے گھونسا دکھا کر بولا۔“

”اب خاموش بھی رہو۔ اسے شہر شاہ تو ہم درہم

تینیں شرمندہ ہونا پڑے گا۔“

”اس بے زبان پر کیوں غصہ اُٹا رہے ہیں؟“

”ہنس کر بولا۔“

”تو کوئی اہل زبان ڈھونڈ لاؤ۔ اگر بڑی ہمدردی

ہے اس سے۔“

”عمران صفر پر الٹ پڑا اور صفر درہم ہنستا رہا۔“